و ھو العلی العظیم

کتابی سلسلہ نمبر ۳۵

بیادِ حضرت مولانا فقیر
حبیب بن وحیدؒ مبلّغِ اسلام

سہ ماہی
دیندار
یکم جنوری تا ۳۱ مارچ ۲۰۱۱ء کراچی

مدیرِ اعلیٰ: محمد منیب
مجلسِ ادارت: محمد نجیب، مُعید بن سعید، مقبول الٰہی

اس شمارے میں

مضامین — صفحہ نمبر

مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
اداریہ	2		
آوازِ صدّیق — حضرت مولانا سیّد صدّیق دیندار صاحب قبلہ قدس اللہ سرّہ العزیز	3		
صلوٰۃ کی حقدار۔ زندہ مسلم قوم	5	فقیر حبیب بن وحیدؒ مبلّغِ اسلام کی یاد میں	10
درود و سلام کے معاملہ میں مسلمانوں کا طرزِ عمل	11	اہلِ حال و قال	16
ہندوستان مستقبل کے آئینے میں	20	طریقِ اصلاح	25
قرآن کے متعلق۔۔۔ بشارات	29	خدا فریبی سے خود فریبی تک	33
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد	37	اسلام اور حقیقتِ جہاد کی فلاسفی	43
نظریات کا تصادم	48	تیرے بھی صنم خانے	51
سات کا چکر	54		

☆ بہ اہتمام: دیندار انجمن پاکستان ☆ خط و کتابت:۔ سہ ماہی ''دیندار'' این۔116 کورنگی ساڑھے تین کراچی۔
Web: www.deendar.org Email:deendar@deendar.com
92-021-5071410 , Mob:03222106831

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

الحمدللہ! یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ دہشت گردی جو یقیناً ایک برائی ہے لیکن اس میں خیر کا پہلو یہ ہے کہ اس کی بدولت مختلف مکاتیبِ فکر کے بعض علماء ودانشور اب تقاضائے وقت کو سمجھتے ہوئے کم ازکم اس حد تک تو قریب آ گئے ہیں کہ باہمی تکفیر بازی سے بیزار نظر آتے ہیں ع عدو شرّ ے برانگیز د کہ دراں خیر ما باشد (دشمن تو شر ہی پھیلاتا ہے لیکن اسی سے خیر نکل آتا ہے)

ایک ہمتِ مردانہ اور کرگزرنے کی ضرورت ہے کہ چوٹی کے علماءِ امّت کو بلوا کر آج تک جتنے کفر کے فتاویٰ ایک دوسرے کے خلاف دیے گئے ہیں علی الاعلان واپس لے لیے جائیں تاکہ اگر کسی گروہ میں شدّت پسند (Hard liners) ہوں تو وہ بھی سرد پڑ جائیں اور آپس میں جھگڑنے کی بجائے بیرونی حملہ آوروں کے سدِ باب کیلئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوں۔ یہ کام سرکاری سطح پر انجام پانا چاہیے۔ لیکن افسوس حکومت کی ترجیحات کچھ اور نظر آتی ہیں۔ ایک بیمار آدمی سے صحت مند، پرعزم سوچ کی امید بس حسرت بن کر رہ جاتی ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ جب تک ہماری فکر بیرونی خطرات کا صحیح ادراک نہیں کرتی اس وقت تک ہم اپنے بچاؤ کی کماحقہٗ تدبیر نہیں کرتے۔ امّت ابھی تک اسی مرحلے سے گذر رہی ہے۔ وہ زمانہ کا عرفان ہی نہیں کرسکی کہ ہم دورِ قیامت میں ہیں اور بین الاقوامی طاقتیں یاجوج، ماجوج اور دجّال ہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم کسی بھی واقعہ کو اتفاقی حادثہ قرار دے کر گذر جاتے ہیں۔ جبکہ یہ حادثات نہیں ہوتے بلکہ مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ انجام پانے والے واقعات ہوتے ہیں جن میں یہی بین الاقوامی طاقتیں ملوّث ہوتی ہیں۔ اندرونِ ملک دہشت گردی کو بھی اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ یہ یقین ہو جانا چاہیے کہ مساجد، مزارات، بازاروں اور جلسے جلوسوں میں دہشت گردی برپا کرنے والے جو بظاہر فرقہ پرست شدّت پسند نظر آتے ہیں درحقیقت صرف استعمال ہوتے ہیں۔ ان کے کرتا دھرتا (Master Mind) یہی بین الاقوامی طاقتیں ہیں، جن کے متعلق قرآن فرماتا ہے: ''بے شک یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد برپا کرنے والے ہیں۔'' قرآن نے جنہیں یاجوج ماجوج کہا ہے، احادیث میں انہی کو دجّال کہا گیا ہے۔ دجّال کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا کہ روٹیاں بانٹتا ہوا آئے گا۔ اس کی پیشانی پر ک۔ف۔ ر لکھا ہوا ہوگا جسے صرف مومن پڑھے گا۔ اس کی سواری گدھا جس کا ایک قدم کئی کئی کوس کا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں لیکن مخبرِ صادق ﷺ کا فرمان برحق ہے اور آج ہم اس کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مسلمان اگر اس حقیقت سے آشنا نہ ہوں گے تو کبھی ان طاقتوں کا صحیح اندازہ نہیں کرسکیں گے اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے۔ ایک پیغام دیندار انجمن مسلسل دیتی آ رہی ہے کہ یہ دور غلبۂ اسلام کا ہے۔ اسلام ایک بار پھر اپنی پوری آب وتاب دکھلائے گا۔ پہلے مرحلے میں ہندوستان دائرۂ اسلام میں داخل ہوگا۔ بعد ازاں پوری زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ یہ مقدّر ہے۔ **لا تبدیل لکلمت اللہ**.

رسالہ پیشِ خدمت ہے۔ آپ کی آراء کا منتظر

محمد منیب

مدیر اعلیٰ ''سہ ماہی دیندار''

آوازِ صدّیق

قدس اللہ سرہ العزیز

سیّد السادات الحسنی والحسینی حضرت مولانا صدّیق دیندار چن بسویشور صاحب قبلہ قدس اللہ سرہ العزیز

حضرت محمد مصطفٰے احمدِ مجتبٰی ﷺ ابوالانبیاء ہیں۔ قائدُ المرسلین ہیں، سیّد الرّسل ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات سے اللہ کی ذات کا ظہور ہوا۔ آپؐ سے پیشتر اللہ کی صفات کا ظہور تھا۔ کُل انبیاءؑ آپؐ کے نور کے ذرات ہیں۔ آپؐ ربّ العالمین کے مظہر رحمۃ للّعالمین ہیں۔ ہر نبی آپؐ کے جھنڈے تلے آ کر ہی نجات پا سکتا ہے۔ آپؐ کی امت مثیلِ انبیاء یا وارثِ انبیاء ہے۔ کسی نبیؑ کی امت وارثِ انبیاء اب تک نہیں ہوئی۔ آپؐ حاشر ہیں۔ آپ ﷺ کا قبلہ بیت اللہ ہے، آپؐ کا دین دین اللہ ہے۔ آپؐ کی جس نے اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ آپؐ کا مقام احدیت ہے۔ آپؐ کافّۃ للنّاس ہیں آپؐ کی کتاب بیان لّلنّاس ہے، آپؐ کا شہر ھدی لّلعالمین ہے۔ آپؐ ہی کے لئے مالِ غنیمت حلال ہے، دوسرے کسی نبی کے لئے حلال نہیں ہوا۔ آپؐ خاتم النّبیّین ہیں، شفیع المذنبین ہیں۔ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتك یا ارحم الرّاحمین o

یہ مسلمانوں کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ نبوت ختم ہو چکی۔ اس اُمت میں اولیاء اللہ آتے رہیں گے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ چونکہ اللہ کا نام ولی ہے اس وجہ سے ولایت جاری ہے۔ اور اللہ کا نام نبی اور رسول نہیں ہے، اس وجہ سے نبوّت اور رسالت ختم ہونے والی تھی، ختم ہوگئی۔ اس کی فلاسفی یہ ہے کہ انسان کے جامعیت والے وجود نے خود میں خلقتِ جسمِ لطیف و جسمِ کثیف کی تکمیل کو دیکھا۔ جب آگے نظر پڑی تو روحانی دربار تھا۔ خدا کا دیدار تھا۔ انسیتِ مخلوق نے اس کو پلٹ کر بیٹھنے پر مجبور کیا تا کہ وہ خلیفۃ اللہ بن کر مخلوق کی بے اعتدالیوں کا انتظام کرے اور اپنے وسیلہ سے سب کی ربوبیت کرے۔ یہی حال عالمِ روحانیت میں ختمیت مآب ذاتِ ربّ العالمین کے مظہر رحمۃ لّلعالمین ﷺ کا ہے۔ جب ذات رحمۃ لّلعالمینؐ کے وجود نے روحانیت کی خلقت کی تکمیل کو دیکھا، خود کو احدیّت کے مقام میں پایا۔ آگے کوئی مقام نہ تھا۔ پلٹ کر بیٹھا۔ آپؐ نے اپنے سامنے کل انبیاء کو زانوئے ادب طے کئے

ہوئے بیٹھے دیکھا۔ انبیاء کرام کو ارشادِ باری ہوا۔ لتومننّ بہٖ و لتنصرنّہٗ۔ کل نبیوں نے کہا اقررنا۔ ذاتِ احدیت مآبؐ نے دیکھا کہ ایمانی جذبہ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے جُھنڈ کے جھُنڈ پروانوں کی طرح آپؐ پر نثار ہو رہے ہیں۔ ہر ایک نبی آپؐ کے دین کی خدمت کے لئے اپنی اپنی قابلیتیں پیش کر رہا ہے۔ حضور رحمۃ للّعالمین ﷺ نے ان میں سے جس نے جو چاہا اس کو وہ دیدیا۔ اور آپؐ نے جس کو جو چاہا بنا دیا۔ حدیث: ومن احبّ ان ینظر الیٰ ابراھیمؑ فلینظر الیٰ ابی بکرؓ ومن احبّ ان ینظر الیٰ نوحؑ فلینظر الیٰ عمرؓ و من احبّ ان ینظر الیٰ ادریس فلینظر الیٰ عثمانؓ ومن احبّ ان ینظر الیٰ یحییٰ فلینظر الیٰ علیؓ ومن احبّ ان ینظر الیٰ عیسیٰ ابن مریمؑ فلینظر الیٰ ابی ذر غفاریؓ ٥ آپؐ نے آگے اور فرمایا وما من نبیٍ الّا لہٗ نظیرٌ من امّتی۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس کو نبی گر کہیں تو بیجا نہیں ہوگا۔

اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمدؐ سے
تمہارا چاہنے والا بنا موسیٰؑ کوئی عیسیٰؑ
خدا جانے وہ کیا ہوں گے تمہیں جن سے محبت ہے

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً ٥ کے نزول کے بعد یہ نہیں ہوگا کہ دوسرے ادیان بھی اپنی اصلیت پر باقی رہیں اور ان ادیان کے نبیوں کا فیض جاری رہے اور مقام یا پیشہ یا شخصیت سے منسوب کردہ ادیان سے خدا راضی رہے۔ بلکہ یہ ہوگا کہ ادیانِ عالم مجوب و مغلوب اور بے نام و نشان رہیں گے اور یہ ہوگا کہ ان کے انبیاء وقتاً فوقتاً اس اُمت میں داخل ہو کر فیض یاب ہوتے رہیں گے اور اپنی اُمتوں کو اسلام میں داخل کرتے رہیں گے اور یہ اٹل بات ہے کہ آئندہ آنے والی نسلوں کا دین اسلام ہی ہوگا۔ (بحوالہ ''اعادۂ اسلام'')

صلوٰۃ کی حقدار۔زندہ مسلم قوم

فقیر ابوالکلام عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مبلّغِ اسلام

اقتباسات از کتاب ''میثاق الانبیاءؑ''

صلوٰۃ کے معنی زندگی اور حیات کے ہیں اسلام سے پہلے کے تمام ادیان مردہ ہو چکے ہیں اور نہ کوئی نبی زندہ ہے کہ الگ طور پر کسی نبی کی اتباع یا اطاعت سے ولی بنتے ہوں اور نہ ہی ان کی امتیں زندہ ہیں۔تمام انبیاءؑ راتوں کے تارے بن کر اپنی اپنی قوم کو زندگی بخشنے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔سردارِ دو عالم ﷺ سراجاً منیرا بن کر طلوع ہوئے۔آفتاب کے طلوع ہوتے ہی وہ تمام تارے ماند پڑ گئے اب حضور ﷺ کے ظہور کے بعد کسی نبی کی نبوّت کام نہیں دیتی اور نہ کسی نبی کا دین پھیلتا ہے اسی لیے اللہ پاک نے کسی نبی پر صلوٰۃ نہیں بھیجی اور نہ ان کی امتوں پر۔وہ لوگ جو ابراہیمؑ پر صلوٰۃ بھیجے جانے کے مدّعی ہیں ان کا مدعا قرآنِ پاک کے خلاف ہے۔قرآن پاک میں ابراہیمؑ یا کسی اور نبی پر صلوٰۃ کے بھیجنے کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ہاں قرآنِ پاک میں سردارِ دو عالم ﷺ اور آپ ﷺ کی امّت ہی پر صلوٰۃ بھیجی گئی ہے۔اس آیت میں جو درود والی آیت کے نام سے مشہور ہے، انّ اللہ وملئکۃٗ یصلّون علی النّبی یآایّھا الّذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیماً. صلوٰۃ کے معنی حیات اور قربانی یعنی اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے ہیں۔

ہر نبی اللہ کی ایک ہی صفت کا ظہور اپنے اندر رکھتا ہے۔سردارِ دو عالم ﷺ کا ظہور ذات اللہ کا ظہور ہے۔صفت کی قربانی صفت ہی کا اظہار کرے گی۔ذات کی قربانی ذات ہی کا ظہور کرے گی۔اور جب ذات اللہ جامع جمیع الصفات ہے تو قربانی کا ایک ہی مرکز قائم ہوا اسی لیے یصلّون علی النّبی کہا گیا۔سردارِ دو عالم ﷺ کے نام کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم آنے میں بھی یہی راز مضمر ہے۔یعنی انبیائے ماسبقؑ میں سے کسی نبی کے ساتھ ﷺ کا استعمال نہیں ہوتا۔چونکہ بنی نوع انسان کو اب جو کچھ ملنا ہے حضور ﷺ ہی کی ذات سے ملنا ہے اب درود والی آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ اور اس کے ملائکہ حضور ﷺ کا ظہور جو ذات اللہ کا ظہور ہے اور اس کا دین کہ جس سے ذات اللہ کا ظہور ہے، اس دین کو پھیلانے میں پوری طرح مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔اے مسلمانو! تم بھی اس کا ظہور اپنا ظہور بنالو اور دینِ اسلام کے پھیلانے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دو۔ سلّموا تسلیما یعنی سرِ تسلیم خم کر کے اپنی گردن کو اس کے آگے رکھ دو۔جب قربانی اور ایثار کا ایک ہی مرکز ہوا تو پھر کوئی نبی صلوٰۃ کا مستحق ہرگز نہیں ہو سکتا جو نبی اس راستہ پر لوگوں کو چلانے کا دعویدار ہو، اسی کو حق ہوگا کہ وہ اپنے ماننے والوں کو حکم دے مـمّـا رزقـنـھـم ینفقون

یعنی اے لوگو! تم اپنا سب کچھ قربان کردو اس لیے کہ اب کوئی راہ اللہ تک پہنچنے کے لیے باقی نہیں رہی اسی کو صلوٰۃ کہتے ہیں۔

هو الّذی یصلّی علیکم لیخرجکم من الظّلمٰت الی النّور (الاحزاب) ''اے مسلمانو! تم پر بھی میری صلوٰۃ ہے تاکہ تم کو ظلمت سے نور کی طرف کھینچ لائے۔'' یہاں ''کم'' کی ضمیر مسلمانوں کی طرف ہے۔ اللہ اللہ ! کیا شان ہے اس امّت کی کہ سردارِ دو عالم ﷺ اور آپ ﷺ کے امّتی کا ایک ہی مقام ہوا یعنی جو فیض حضورِ اکرم ﷺ بنی نوع انسان کو پہنچاتے ہیں وہی فیض فنا فی الرّسول ہو کر آپ ﷺ کے امّتی پہنچاتے ہیں۔ جس طرح اللہ پاک نے اس امّت پر صلوٰۃ بھیجی اسی طرح حضورِ اکرم ﷺ نے بھی اپنی امّت پر، جو فنا فی الرّسول کے مقام پر پہنچ جاتی ہے، صلوٰۃ بھیجی تاکہ معلوم ہو کہ جس طرح حضور سرورِ دو عالم ﷺ حیات النبی ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی حیات الامت ہے۔ وہ حدیث حسبِ ذیل ہے:

''اے اللہ تو صلوٰۃ بھیج ابوبکر صدّیقؓ پر اس لئے کہ وہ تجھ سے اور تیرے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ اے اللہ صلوٰۃ بھیج عمرؓ پر اس لیے کہ وہ تجھ سے اور تیرے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ اے اللہ صلوٰۃ بھیج عثمانؓ پر تحقیق کہ وہ تجھ سے اور تیرے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ اے اللہ صلوٰۃ بھیج ابی عبیدہ بن الجراحؓ پر تحقیق کہ وہ تجھ سے اور تیرے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔ اے اللہ صلوٰۃ بھیج عمرو بن العاصؓ پر اس لیے کہ وہ تجھ سے اور تیرے رسول سے محبت رکھتا ہے۔'' (ابنِ عساکر کنز العمال جلد ۶ ص ۱۱۲)

یہاں صلوٰۃ کا تعلق اللہ اور اس کے حبیب حضرت محمد ﷺ ہی سے ہے اس لیے کہ حضور سرورِ دو عالم ﷺ نے **یحبّک ویحبّ رسولک** فرمایا۔ اسی حقیقت کو اللہ پاک نے بیان فرمایا: **قل ان کنتم تحبّون الله فاتبعونی یحببکم الله** ''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ جو کوئی اللہ سے محبت رکھتا چاہے وہ میری اتباع کرے تب کہیں اللہ کی محبت مل سکتی ہے۔'' یہاں محبت کا تعلق اتباع سے ہے جیسے کہ لفظ **فاتّبعونی** سے خود ظاہر ہے۔ گویا کہ یہاں صلوٰۃ کا مقام پانے کے لیے سردارِ دو عالم ﷺ کی اتباع یعنی فنا فی الرّسول کی شرط لگائی گئی ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ یہ مقام ذات اللہ کے ظہور کا ہے۔ ایسی صورت میں کسی اور نبی پر کیسے صلوٰۃ بھیجی جا سکتی ہے؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں کسی اور نبی پر صلوٰۃ کے بھیجنے کا ذکر مطلقاً نہیں۔ ہاں انبیاء پر بھی صلوٰۃ بھیجی جا سکتی ہے جبکہ وہ حضورِ اکرم ﷺ کی اتباع کریں یعنی امتی بن کر فنا فی الرّسول کے مقام پر پہنچیں۔

قرآن پاک میں انبیائے ماسبقؑ کے ساتھ صرف ''سلام'' ہی آیا مثلاً **سلام'' علی نوح، سلام'' علی ابراهیم، سلام'' علی موسیٰ و هارون** یعنی نوح پر سلام ہے، ابراہیم پر سلام ہے، موسیٰ و ہارون پر سلام ہے۔ جہاں مجموعی حیثیت سے نبیوں کا ذکر آیا تو **سلام'' علی المرسلین** ہی فرمایا۔ معلوم ہوا کہ نبوت کے مقام میں صرف سلام ہی نصیب ہوتا ہے۔ لیکن حضور سرورِ دو عالم ﷺ نے اس امّت کو تین مقام عنایت فرمائے۔ ہر مسلمان ایک دوسرے سے ملے تو اس پر فرض ہے کہ وہ اپنے بھائی کی ملاقات سے پہلے السّلام علیکم کہہ دے جس میں سب سے پہلے مقامِ نبوّت کا اظہار ہے۔ اس سے آگے بڑا مقام رحمت کا ہے، تیسرا

مقام برکت کا ہے۔ نبوت سے رحمت اس لیے بڑھ کر ہے کہ جب کسی نبی کا نام آئے تو اس کے ساتھ علیہ السلام آتا ہے اور اس امت میں سے کسی ولی، غوث قطب کا نام آئے تو رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے مثلاً نبی کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام اور ولی کے ساتھ خواجہ معین الدّین چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔ معلوم ہوا کہ السّلام علیکم کی مخاطبت میں ہر مسلمان کئی نبیوں کی بالقوہ طاقت اپنے اندر رکھتا ہے اور جب بالفعل بن کر سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم بنے تو وہ ولی، غوث، قطب، ابدال کے نام سے موسوم ہو کر رحمۃ اللہ علیہ بن جاتا ہے۔ اور پھر برکت کے مقام پر جا کر فنافی الرّسول کہلاتا ہے جو صرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے مخصوص ہے۔ یہی وہ مقام ہے کہ ایک مسلم بالقوہ تمام نبیوں کی طاقتیں اپنے اندر رکھتے ہوئے اپنے نام کو کسی نبی کے ساتھ غلامی کی نسبت لگانا اپنی ہتکِ شان سمجھتا ہے۔ اسی لیے کوئی مسلمان اپنا نام غلام موسیٰ، غلام یحییٰ، غلام ابراہیم وغیرہ نہیں رکھتا کیونکہ وہ انبیائے ماسبق کا غلام نہیں وہ تو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے جس کی وجہ سے غلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم، غلام احمدؐ، غلام مصطفیٰؐ، غلام الثقلینؐ نام رکھنے میں اپنے لیے فخر محسوس کرتا ہے۔ ہاں اگر نام رکھے تو یحییٰ، موسیٰ، یعقوب، ادریس، ابراہیم وغیرہ رکھتا لیتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس میں تمام نبیوں کی طاقتیں بالقوہ موجود ہیں۔

یہی وہ راز ہے کہ ایک امام پنجوقتہ نماز میں اس مقام کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ مسلمان یاد رکھیں اور یہ تواتر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چلا آرہا ہے کہ ایک امام اپنے قعدہ میں سلام پھیرتے ہوئے السّلام علیکم ورحمۃ اللہ کے ساتھ نماز ختم کرتا ہے۔ نماز میں السّلام علیکم کے ساتھ رحمۃ اللہ کا اضافہ صرف مسلمانوں کا باجماعت نماز ادا کرنے کی وجہ سے ہے چونکہ نبیوں کا مقام انفرادیت کا تھا یعنی اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ اس لیے میدان میں عام مخاطبت میں صرف سلام آیا اور اب سارے مقتدی اور امام قعدہ کی حالت میں التّحیات کے اندر السّلام علیک ایّها النّبی و رحمة الله و بر کاتهٗ میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب رہتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ یا رحمۃ للعالمین انبیائے ماسبق پر صرف سلام تھا اور آپ پر سلام، رحمت و برکت تینوں چیزیں ہیں اور آگے السّلام علینا و علیٰ عباد الله الصّالحین میں جمع متکلم کی ضمیر آئی ہے جس میں عام مسلمان مخاطب ہیں جو صالحین کے نام سے موسوم ہیں۔ یہاں پھر صالحین کے ساتھ سلام کا مقام دیا جانا اور انبیائے ماسبق کا والحقنی بالصّالحین یعنی صالحین سے ملحق ہونے کی تمنا رکھنا، بتاتا ہے کہ نبیوں کی اس امت میں پیدا ہونے کی تمنا کی آخری حد یہی ہے یعنی یہ کہ وہ اپنی نبوّت چھوڑ کر سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت میں داخل ہو کر کلمہ گو مسلمان کہلانا ہی اپنے لئے باعثِ فخر جانتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہر نبی کی بھی آرزو ہے کہ میں رحمت اللہ کا مقام پا کر سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم بن کر برکت کا مقام حاصل کروں۔

اللہ اللہ! اس امّت کو سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں کیا کیا فیض ملے۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں اس قدر فیض ملتا ہے تو پھر ہم کو کسی نبی کی نبوّت کہاں باعثِ فخر ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوّت ختم ہو چکی یعنی نبوّت اس لیے ختم نہیں ہوئی کہ ہمارا

مقام انبیائے ماسبق کے مقام سے کم تھا یا ہم انکے مقام تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ہاں نبوّت اس لیے ختم ہوئی کہ سردارِ دو عالم ﷺ کی غلامی میں ہم کو وہ مقام ملا کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کو نصیب نہیں ہوا۔ نبیوں کا ہمارے مقام کی آرزو کرنا خود اس کا بیّن ثبوت ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ کو بھی مسلمانوں کا اپنے مقامِ مسلم سے بھول جانے کا علم تھا جس کی بِناء پر حفظِ ماتقدم کے طور پر حضور ﷺ نے ہمارے اعتقاد میں ڈال دیا کہ قیامت میں دجّال آئے گا وہاں مسلمان کمزور ہوں گے، دجّال کے فتنوں میں پھنسے رہیں گے۔ ایسی صورت میں ان فتنوں سے بچانے کے لیے مہدیؑ آئیں گے۔ اس وقت مسیحؑ کا بھی نزول ہوگا، دونوں مل کر دجّال کی طاقت کو ہلاک کریں گے۔ دبے ہوئے، گرے ہوئے مسلمانوں کو اُبھاریں گے۔ نمازِ عصر کا وقت ہوگا مسیحؑ اور مہدی میں نماز پڑھانے کیلئے امامت کا مسئلہ زیرِ بحث ہوگا۔ آخر مسیح یہ دیکھ کر کہ میرا مقام مہدی کے مقابلے میں، جو ایک امتی ہے اور سردارِ دو عالم ﷺ کی غلامی کا شرف اس کو حاصل ہے، میں امامت نہیں کرسکتا، مہدی کو امامت کے لیے آگے بڑھائیں گے اور خود تمام مسلمانوں کے ساتھ مقتدی بن کر کندھے سے کندھا لگا کر نماز ادا کریں گے۔

نہ صرف یہ بلکہ حضورِ اکرم ﷺ قیامت میں حاشر بن کر آئیں گے اور تمام انبیاء بھی اس وقت حاضر ہوں گے۔ انبیاء نفسی نفسی پکاریں گے اور حضورِ اکرم ﷺ امّتی امّتی فرمائیں گے۔ جاننا چاہیے کہ اس عقدے کے حل میں بھی مسلم ہی کی شان کا اظہار ہے۔ نفسی یعنی میری ذات یا میرا معاملہ۔ امتی یعنی میری امّت۔ اب اگر ہم نفسی نفسی کے الفاظ کو اور حضورِ اکرم ﷺ کے امّتی فرمانے کو مطابق کریں تو خود بخود ہمارا مقام روزِ روشن کی طرح ہم پر کھلے گا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیاء کے امتی اپنے اپنے نبی کی طرف نگاہ لگائے ہوئے، پریشان حال ہوں گے کہ اس قیامت میں ہمارا کیا حشر ہے۔ اور ان کے نبی نفسی یعنی اپنی ذات یا اپنے معاملہ میں خود فکر مند ہوں گے کہ ہماری نجات کس طرح ہوگی۔ یعنی یہ کہ تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کی پریشان حالی کو دیکھ کر سردارِ دو عالم ﷺ کے روبرو درخواست لائیں گے اور کہیں گے یا حاشر الانسان، یا رحمۃ للّعالمین ﷺ یہ فرمایئے ہمارے امّتی ہماری طرف متوجہ ہیں اور ہم کو خود اپنی فکر دامن گیر ہے کہ ہمارا ٹھکانہ کہاں ہے، اپنی نجات کی فکر خود ہم کو پڑی ہے۔ یارسول اللہ ﷺ نجات کا راستہ بتلایئے۔ اسی وقت رحمۃ للّعالمین ﷺ کا رحم و کرم جوش میں آئے گا اور آپ ﷺ اپنی امت کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے فرمائیں گے ''امتی'' یعنی میری امت میں داخل ہو جاؤ تو تم سب کو نجات ہوگی۔ چونکہ آپ ﷺ کی امّت کلمہ پڑھ کر نجات پائی ہوئی ہوگی۔ اس لیے آپ ﷺ ان کے شفیع ہو چکے ہوں گے۔ اب جب کہ نبیوں کی شفاعت ہونی تھی اس لئے امت کی طرف اشارہ کر کے تمام نبیوں کو اپنے ہی کلمہ سے نجات دلائی۔ اللہ اللہ کیا شان ہے اس امّت کی کہ قیامت میں بھی ایک مسلم ہی کا پلّہ بھاری نکلا۔

حضور سرورِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ معراج میں ہزاروں حجابات طے کرائے گئے اور اس مقام پر پہنچا کہ تمام فرشتوں

کی آہٹ منقطع ہو گئی جب عرشِ اعظم پر پہنچے تو کیا دیکھا کہ حضرت بلالؓ پاؤں میں کھڑاویں پہنے ہوئے عرش پر چل رہے ہیں اور ان کے کھڑاووں کی آواز رسول اللہ ﷺ کے کان سن رہے ہیں۔ یکا یک حضور ﷺ کو اپنے یارِ غار کی یاد آئی فوراً صدّیقِ اکبرؓ کی آواز آئی۔ دوسری طرف دیکھا تو حضرت علیؓ کا ہاتھ تھا تیسرے رُخ پر دیکھا تو حضرت عمرؓ کی ننگی تلوار تھی۔ اللہ اللہ! وہاں موسیٰؑ کو دیکھو اللہ کے دربار میں پہنچنے کے لیے وادیٔ مقدّس میں **فاخلع نعلیک** یعنی جوتیاں اُتار دینے کا حکم ہوا اور یہاں حضورِ اکرم ﷺ کا ایک غلام عرش پر کھڑاویں پہن کر چل رہا ہے اور اللہ کا عرش بلالؓ کے کھڑاویں سمیت چلنے کو باعثِ فخر سمجھ رہا ہے۔ کس قدر نادان ہیں وہ لوگ جن کے دماغوں میں نبوّت کی آرزو ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ بلالؓ کی کھڑاویں پہن کر اللہ کے عرش پر خراماں خراماں بلالؓ کی مانند چلتے۔ آج بھی کوئی حضور سرورِ دو عالم ﷺ کے بعد مدعیٔ نبوّت ہو تو ایک مسلم کے پاس اس نبوّت کے مقابلہ کا ہتھیار بلالؓ کی کھڑاویں ہی ہیں۔ سردارِ دو عالم ﷺ کی غلامی میں اس قدر کمال حاصل ہونے کے بعد اگر کوئی مدعیٔ نبوّت ہو تو خود صدّیقِ اکبرؓ کی آواز اس کو دبا دے گی اور اگر اس پر بھی وہ اپنے غلط عقیدے سے باز نہ آئے تو پھر حضرت علیؓ کا ہاتھ اس کی گردن پکڑے گا اس پر بھی سنبھل جائے تو ٹھیک ورنہ بلالؓ کی کھڑاویں اس مدعی کا سر گنجا کر دیں گی اور اس پر بھی گستاخی کرے تو حضرت عمرؓ کی برہنہ تلوار اس کا سر تن سے جدا کر دے گی۔

یہاں ایک نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرنِ اولیٰ میں معراج کی یہ پیشگوئی کس طرح پوری ہوئی یعنی حضورِ اکرم ﷺ کے وصال کے بعد مختلف مدعیٔ نبوّت کھڑے ہوئے اور جہاں جھوٹے مدعیوں کی آواز اٹھی فوراً صدّیقِ اکبرؓ کی آواز ان کے مقابل میں کھڑی ہوئی اور ان سب کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا اور اس آخری صدی میں، جو چودھویں صدی کے نام سے مشہور ہے، جو بڑی بشارتوں والی صدی ہے، جس میں سردارِ دو عالم ﷺ کے سارے اجزاء پوری شان سے ظہور میں آئیں گے، یہاں بھی اجرائے نبوّت کی آواز کا اٹھنا تھا کہ صدّیق ہی کی آواز سے اس کا مقابلہ ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ علاقہ پنجاب میں قادیان سے نبوّت کی آواز اُٹھی تو ادھر دکن سے امام الجہاد حضرت مولانا صدّیق دیندار چنن بسویشور صاحب قبلہ قدس اللہ سرّہ العزیز کی آواز ان کے مقابل کھڑی ہوئی اور آخر اس آواز نے اجرائے نبوّت کی آواز کو دبا ہی دیا یہی وجہ ہے کہ ہمارے ان دلائل کا جواب ان کے پاس قطعاً نہیں۔

اس دور میں دو قسم کے لوگ موجود ہیں ایک وہ ہیں جو اپنے لیے نبوّت کا مقام باعثِ فخر سمجھتے ہیں، دوسرے وہ ہیں جو نبوّت کے مقام کو اپنے سے بلند تر سمجھ کر اس مقام سے خوف زدہ ہیں۔ سچ پوچھو تو ان دونوں جماعتوں نے نبوّت کے مسئلے کو نہیں سمجھا۔ مسلم کا مقام ان دو تصوّرات سے بھی اعلیٰ و بالا ہے۔ نہ اس کو انبیائے ماسبقؑ کی نبوّت پر فخر ہے اور نہ اس نبوّت کے مقام کو حاصل کرنے کی تمنا۔ درحقیقت ہم کو آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ سردارِ دو عالم ﷺ کی غلامی میں وہ فیض ملتے ہیں کہ تمام انبیاء اس مقامِ مسلم کے متمنی ہیں۔

چھٹے یومِ وصال کے موقعہ پر

فقیر حبیب بن وحیدؒ مبلّغِ اسلام کی یادیں

وہ شخصیت جن کے تصوّر سے آنکھیں پُرنم ہوجاتی ہیں اب ان کے وصال کو چھ سال مکمل ہونے والے ہیں۔آپؒ فرماتے تھے کہ وہ اللہ والا اللہ والا نہیں جو انسانی ذہن میں پیدا ہونے والے ہرسوال کا جواب نہ دے سکے۔ جولوگ بھی حضرت مولانا حبیب بن وحیدؒ صاحب کے قریب رہے ہیں اور گفتگو کا شرف حاصل کیا ہے، وہ یقیناً ان کی زبان سے وارد ہونے والے اعلیٰ سطحی علم کو محسوس کر چکے ہوں گے اور کوئی بھی فرد ایسا نہیں ہوگا جو یہ نہ کہے کہ ''آپؒ کی علمی وسعت کا کوئی کنارہ نہیں۔'' آپ ۲۱ ربیع الاوّل ۱۴۲۶ھ بروز ہفتہ بمطابق ۳۰ اپریل ۲۰۰۵ء کو اپنی زندگی کے تقریباً ۷۵ سال مکمل کر کے پردہ فرما چکے۔آپ کی سوانح حیات پر ایک خصوصی مضمون جون ۲۰۰۵ء سہ ماہی دیندار میں شائع ہوا تھا۔اس میں مختصراً آپؒ کی حالاتِ زندگی کا جائزہ لیا گیا تھا۔ پاکستان میں ''سہ ماہی دیندار'' کی اشاعت کا سلسلہ آپ ہی نے شروع کیا تھا اور آپ ہی اس کے مدیرِ اعلیٰ بھی تھے۔ فی الوقت یہ ممکن نہیں کہ آپؒ کی کامل روحانیت، فکر وکردار، اشاعتی کاوشوں، درس، لیکچرز، طویل دوروں اور شخصیات سے ملاقات جو اہم دینی وحکومتی مرتبہ پر فائز رہیں، ان کا احوال تفصیلاً قلم بند کیا جا سکے اور تمام تر دینی خدمات کا احاطہ کیا جا سکے۔

آپؒ نے ہزاروں افراد کی کردار سازی اس طرح کی کہ ہر وہ فرد جو آپؒ کی روحانیت سے فیضیاب ہوا وہ خود اپنی ذات میں ایک تحریک ہے۔اب وہ دنیا میں ایک انقلاب برپا دیکھنا چاہتا ہے کہ پوری مسلم امّہ متحد ہو، مسلمانوں کا علمی فہم بلند ہو، کافر طاقتوں کے سربراہان کو اسلام کی دعوت دے کر جہادِ فی سبیل اللہ کا عالمگیر میدان گرم ہو۔ اسلام اور مسلمانوں کا دنیا میں بھی دوبارہ عروج ہو۔ حضرت مولانا حبیب بن وحید صاحبؒ کی ذات میں دو رُخی نہیں تھی، جو اندر تھے وہی باہر تھے۔ ہر بات میں سادگی اور معصومیت تھی۔ امیری غریبی، چھوٹے بڑے کا فرق نہیں تھا۔ انکساری ومہمان نوازی آپؒ کا شعار تھا۔فکر وکردار میں جرأت مندی اور حکمتِ عملی کا مظاہرہ تھا۔ بقیہ صفحہ ۱۵ پر

درود وسلام کے معاملہ میں مسلمانوں کا طرزِ عمل

فقیر محمد افضل شریف صاحب ؒ مبلغِ اسلام

الغرض جو مسلمان درود وسلام کی حقیقت سے ناواقف ہیں وہ درود والی آیت سن کر **اللّٰھم صلّ علیٰ محمدٍ** پڑھ لیتے ہیں اور جو مسلمان اللہ اور اس کے ملائکہ کی صلوٰۃ میں حصہ لیتے ہیں وہ **اللّٰھم انّا نحن نصلّی** کہتے ہیں۔ ان کلمات کے یہ معنی ہیں ''اے اللہ! یقیناً ہم درود بھیجتے ہیں۔'' پس معلوم ہوا کہ درود اپنے الفاظ ومعانی ومطلب کے اعتبار سے ایک مخصوص دعا ہے۔ اس دعا کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا پڑھنا ہر نماز میں لازمی قرار دیا گیا ہے۔ مگر قابلِ غور وفکر یہ بات ہے کہ جب خود اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ میں اور میرے ملائکہ نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو مسلمانوں کا اللہ سے یہ دعا کرنا ''اے اللہ تو ہی بھیج'' چہ معنی دارد؟

عام مشاہدہ بتلا رہا ہے کہ اکثر مسلمان جب کسی شدید مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ اِدھر حکیم وڈاکٹر سے علاج معالجہ بھی کرواتے ہیں اور اُدھر اللہ سے صحت یابی کے لیے دعا بھی مانگتے ہیں۔ اسی طرح دیگر مقاصدِ دنیاوی میں کامیاب ہونے کے لیے ایکطرف دعا بھی کرتے رہتے ہیں اور دوسری طرف حتی الامکان کوشش بھی جاری رکھتے ہیں۔ مگر درود کے معاملہ میں ایسے چپ چاپ نظر آتے ہیں جیسا کہ کچھ جانتے ہی نہیں۔ یا تو اس درود کو بطورِ وظیفہ پڑھا کرتے ہیں جس کے فضائل میں یہ بتلایا گیا ہو کہ اس کو اتنی بار پڑھنے سے روزی میں کشائش ہوتی ہے۔ بیماری رفع ہوتی ہے۔ آسیب دفع ہوتا ہے۔ جادو کا اثر زائل ہوتا ہے۔ قرضوں سے رہائی ملتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یا تو درود کو صدہا کی تعداد میں پڑھ کر اس کا ثواب نبی کریم ﷺ کی روحِ پُرفتوح کو پہنچاتے ہیں اور یہ تمنا بھی رکھتے ہیں کہ کم از کم آنحضرت ﷺ کے دیدار سے خواب میں بھی مشرف ہو جائیں تو بس ہے۔

اس خیال کے لوگوں سے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ بیماری کی حالت میں بوعلی سینا جیسے حکیم کا خواب میں دکھائی دینے سے کیا بیماری رفع ہوسکتی ہے؟ یا کسی نے خواب میں حضور نظام کو دیکھا اور انہوں نے کہا کہ صبح آ کر مجھ سے پانچ ہزار روپے لے جانا، کیا وہ اپنے خواب کی بناء پر حضور نظام سے روپیہ طلب کر سکتا ہے؟

مسلمانو! یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ درود شریف دنیاوی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے بطورِ وظیفہ پڑھے اور ساتھ ہی ساتھ حصولِ مقصد کے لیے کوشش بھی کریں اور جب درود والی آیات سننے کا موقعہ ملے تو **اللّٰھم صلّ علیٰ** کے الفاظ زبان سے ادا کرنا اور اسی پر اکتفا کرنا کیا خدا اور رسول اللہ کی خوشنودی کا باعث ہوگا؟ یہ ویسی بات تو نہیں جیسا کہ یہودیوں

سے حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ جاؤ اور ارضِ مقدس میں داخل ہو جاؤ۔ یہودیوں نے کہا کہ وہاں جبّارین کی حکومت ہے، فاذھب انت و ربّک فقاتلا انّا ھٰھنا قاعدون ٥ (مائدہ:۲۴) ''پس تو اور تیرا رب جاؤ دونوں جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھنے والے ہیں۔'' فاعتبروا یا اولی الابصار.

الغرض نبی کریم ﷺ نے اللہ و ملائکہ کی صلوٰۃ کے ساتھ دینِ اسلام کی تبلیغ کی اور اس کو تکمیل کو پہنچایا۔ اس کے متعلق ارشادِ باری ہوا۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً ط (مائدہ:۴) اب دنیا کو نہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہے نہ پرانے نبی کی۔ اب اسلام کی تبلیغ کا کام امتِ محمدیہ کے سپرد کیا گیا اور فرمایا گیا:

۱۔ ولتکن منکم امة یّدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولٰئک ھم المفلحون ۔(النساء:۱۰۰) ''اور تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے کہ خیر (اسلام) کی طرف دعوت کرے۔ معروف کاموں کا حکم دے اور منکر (برے کاموں) سے روکے اور یہی لوگ فلاح (نجات) پانے والے ہیں۔

۲۔ وما کان المومنون لینفروا کافّة ط فلولا نفر من کلّ فرقةٍ منھم طائفة لیتفقّھوا فی الدین ولینذرو اقومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون (التوبہ:۱۲۲)

''اور مومنوں کو یہ بھی مناسب نہیں کہ سب کے سب نکل پڑیں۔ تو ایسا کیوں نہ ہو کہ ان کی ہر ایک جماعت میں سے ایک گروہ نکلے تا کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں۔ جب وہ ان کی طرف واپس جائیں تا کہ وہ بھی بچیں۔''

یہ نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ امتِ محمدیہ کے افراد خواہ عربی ہوں خواہ حبشی، خواہ مصری ہوں، خواہ ترکی۔ ہندی ہوں یا چینی۔ سب کا کلمہ لا الٰہ الّا اللہ محمّد رّسول اللہ پر ایمان ہے سب کا ایک قرآن، ایک قبلہ، ایک نماز، نماز میں پڑھی جانے والی ایک ہی زبان، سب کے سب اپنی قرآنی تہذیب، قرآنی تمدّن، قرآنی اصول کے لحاظ سے ایک ہی قوم کہلائے گی۔ آج یورپ کے سیاسی چکروں نے ان کو ملک وزبان کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ قوموں میں تقسیم کر دیا۔ اب مصر کے رہنے والے اپنے آپ کو پہلے مصری کہتے ہیں، بعد مسلمان۔ الغرض عرب، ایران، ترکی وغیرہ کے لوگوں کا یہی حال ہے۔

ہندوستان بہ لحاظ محلِ وقوع و آب و ہوا، بہ لحاظ ملک و زبان، تہذیب و تمدّن مختلف حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ اس میں تلنگانہ بھی ہے، کرناٹک بھی، مہاراشٹر اور پنجاب وغیرہ بھی ہیں۔ مگر سیاسی اعتبار سے ان سب کی ایک قوم بن گئی ہے جس کا نام ہندوستانی ہے۔ وہ پہلے ہندوستانی ہیں بعد ہندو، مسلمان وغیرہ۔۔۔۔۔ کیا ہی اچھا ہوگا کہ تلنگانہ کا کوئی مسلمان غیر مسلم تلنگوں

میں مرہٹواڑہ کا کوئی مسلمان غیر مسلم مرہٹوں میں، کرناٹک کا کوئی مسلمان غیر مسلم کنڑوں میں۔۔الغرض جس علاقے میں رہنے والے مسلمان ہیں ان کو چاہیے کہ اپنے اپنے علاقے کے غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کریں۔ ہندوستان کی حکومت نے بھی ہر مذہب کے لوگوں کو اس کے اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق دیا ہے۔ پھر ڈرنا کیوں؟

الحمد للہ ! راقم الحروف فقیرِ خانقاہِ سرورِ عالم (حیدرآباد دکن) نے اپنے رب ''اللہ'' کی توفیق سے سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دینِ اسلام کی تبلیغ کو اپنی زندگی کا شعار بنایا ہوا ہے۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیه من یّشآء ط واللہ ذوالفضل العظیم o** یوں تو ہر مکتبِ خیال کے متلاشی کو خود اس کی اپنی تلاش منزلِ مقصود پر پہنچانے کے لیے اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ مگر اسلام کی تبلیغ کے لیے جب کوئی شخص اٹھتا ہے تو اس پر اللہ اور اس کے ملائکہ درود بھیجتے ہیں۔ اللہ اس کی ہدایت کا سامان مہیا کرتا ہے اور اس کا شرح صدر کرتا ہے تا کہ وہ اسلام کو خود سمجھے اور دوسروں کو سمجھا سکے۔ **فمن یّرد اللہ ان یّهدیه یشرح صدره للاسلام.** (انعام:۱۲۶) ''سوجس کے متعلق اللہ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو ہدایت دے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔'' اب سنیے اسلام وہ دین ہے جس میں روح موجود ہے اس روح میں حرکت اور حرکت میں برکت ہے۔ یہ چیزیں تبلیغ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ اسلام کی اس حقیقت کو ذہن نشین کرانے کیلئے یہ فقیر ایک تخم کی مثال آپ کے سامنے رکھتا ہے۔

ایک تخم جب بویا گیا تو سب سے پہلے اس نے زمین میں جڑ کی صورت اختیار کر لی۔ اس جڑ سے ایک تنا نکلا۔ اور تنے سے مختلف شاخیں، مختلف سمتوں میں بصورتِ انتشار برآمد ہوئیں۔ اور اس میں سے پتے پھوٹ نکلے تو درخت کہلایا جس کی جڑ نے زمین سے پانی اور اس کے مرکب کے محلول سے غذا حاصل کر کے اپنی جڑوں کو مضبوط کر لیا۔ جس کے پتے فضا سے کاربن ڈائی آکسائیڈ جذب کر کے، سورج کی روشنی کی مدد سے آکسیجن کو خارج کر کے کاربن کو اپنی غذا بنا کر، ایک مقررہ مدت تک درخت کو نشو نما دیتے رہے۔ وہ تخم جو نظروں سے غائب تھا اب عالم شہود میں پھل کی صورت میں نمودار ہو کر اپنے وجود کا ثبوت دینے لگا اور کہنے لگا کہ درخت کے تمام ساز و سامان، اس کی ڈالیں اور پتے جو بحالتِ انتشار دکھائی دیتے ہیں وہ مجھ میں موجود ہیں۔ اس طرح کل درخت کی وحدت، میں اپنے اندر رکھتا ہوں۔ میری نشو نما میں، زمین اور فضا نے جو کچھ مجھے مدد پہنچائی ہے، وہ میرے ساتھ ہے۔ اور مجھ (تخم) سے جو شخص پھل حاصل کرنا چاہتا ہے تو فطرت کے معین کردہ اصول پر میری کاشت کرے، میں اس کاشتکار کو اس کی اپنی محنت کا ثمرہ دوں گا۔ اگر کوئی شخص مجھے ناچیز جان کر میری قدر نہ کرے اور مجھ سے موقتی فائدہ حاصل کرنے میں دریغ کرے تو، ذرا میری طرف نظر رکھنا کہ میرا درخت آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ اس پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ زمانے کی رفتار اور موسم کی تبدیلی کی وجہ سے اب جو سر سبزی و شادابی اس میں نظر آ رہی ہے وہ باقی

نہیں رہے گی۔ پتے سوکھ کر جھڑ جائیں گے اور ہوا کے جھونکوں سے کمزور اور خشک ڈالیاں ٹوٹ کر گر جائیں گی اور درخت تن تنہا ٹھہرا رہے گا۔ آپ دیکھتے ہیں اور دیکھتے رہیں گے کہ اللہ قادرِ مطلق نے مجھے اعادہ کی جو طاقت بخشی ہے اور فضا میں میری تائید کا جو سامان مہیا کر رکھا ہے یعنی ہوا، پانی، معدنی غذاؤں سے میری نشوونما ہو رہی ہے۔ الغرض اس قدرتی انتظام کے تحت میں اپنے موسم پر از سرِ نو برگ و بار کے ساتھ ظاہر ہونے والا ہوں۔

یہی حال دینِ اسلام کا ہے۔ تعلیماتِ اسلام انبیائے ماسبق کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ ادیانِ عالم کی وحدت دینِ اسلام کے اندر ہے۔ ادیانِ عالم متفرق اجزا ہیں اور دین اسلام ان کا کل ہے۔ اسی طرح ادیان عالم کے متفرق آسمانی صحائف کی تعلیمات ایک نسخۂ قرآن کریم کی کلیت میں آجاتی ہیں و نیز کتبِ سابقہ کی تصدیق کرتا ہے اور اپنے اکمل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ان صحائف کے لانے والے اقوامِ عالم کے انبیاء و رسل ہیں تو ان کی جامعیت کا مقام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ایک ذاتِ بابرکت ہے جس نے فرمایا یومئذ کل انبیاء تحت لوائی. اور اس ذاتِ بابرکت کی امت جس کا نام اللہ تعالیٰ نے مسلم رکھا ہے۔ وہ امتِ مسلمہ جملہ ہائے ادیانِ عالم کے امتیوں کی وحدت اپنے اندر رکھتی ہے۔ اسی لیے دینِ اسلام کی تبلیغ کا حق اللہ تعالیٰ نے مسلم ہی کو بخشا ہے۔ مسلمان کسی قوم یا ذت پات کا نام نہیں ہے۔ مسلمان ان تعلیمات کو قبول کرنے والے کو کہتے ہیں خواہ وہ چینی ہو یا ہندی۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ منصبِ رسالت پر فائز ہوئے تو اللہ رب العالمین کی وحی قل یآایّھا النّاس انّی رسول اللہ الیکم جمیعا سے کھڑے ہوکر آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ میں آج سے رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لئے رسول اللہ بن کر آیا ہوں۔ تمہارا الہ'' وّاحد ہوں، انا دعوۃ ابی ابراھیم وبشارۃ عیسیٰ کا مصداق ہوں۔ اور خاتم النّبیّین ہوں اور میری شریعت اکمل ہے۔ میری کتاب فیھا کتب'' قیّمۃ'' کی سند رکھتی ہے۔ آسمانی و زمینی شہادتوں کے علاوہ تمہارے آسمانی کتابوں میں میرے نام اور کام کے تذکرے موجود ہیں۔ تم مجھے ایسا پہچانتے ہیں جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کو پہنچانتے ہیں۔ جس نے میرے دعوے کو تسلیم کرلیا اور میری اتباع کی وہ سچا یہودی اور نصاریٰ ہے۔ ابراہیم و موسیٰ وعیسیٰ علیھم السّلام کی عزت رکھ لی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت و دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اس دین کو میں ادیانِ عالم پر غالب کروں ایک دن وہ آنے والا ہے کہ طوعاً وکرہاً اس کو قبول کرنا پڑے گا۔ اللہ اور اس کے فرشتوں کی تائید میرے ساتھ ہے میرا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔

پس جو لوگ مذہب کے دلدادہ، خدا ترس، نیک طینت اور لقاء اللہ کے امیدوار تھے انہوں نے آپ ﷺ کے دعوے کی تصدیق کی اور شہادت دی اور وہی مسلم کہلائے۔ معلوم ہوا کہ مسلم تمام امتوں کے افراد کا مجموعہ ہے۔ قومی نبیوں کی امّتیں جو آپس کے بغض و عناد کی وجہ سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو چکی تھیں۔ ان تعلیمات کو قبول کرنے کے بعد آپس میں بغل

گیر ہوگئیں۔ یہودی اور عیسائی جو ایک دوسرے کے دشمنِ جانی تھے، قبولِ اسلام کے بعد آپس میں بھائی بھائی کہلانے لگے۔

❁❁❁❁ ❁❁❁❁

بقیہ: **فقیر حبیب بن وحیدؒ مبلّغِ اسلام کی یاد میں**

زندگی اسلام کی خدمت میں وقف کرنے سے لے کر وقتِ وصال اپنے عزم اور مقصدیت پر کبھی متزلزل نہ ہوئے۔ یہ وہ عظیم شخصیت تھی جن کی بصیرت مشیتِ خداوندی سے ہم آہنگ تھی۔ اور جس کی بصیرت اپنے دور میں مشیتِ الٰہی میں ضم ہو، وہی درست سمت میں کردار سازی کا مستحق ہے۔ الحمد للہ! آپؒ کی صحبت سے جو بھی فیضیاب ہوئے وہ اپنی ذات میں جامد نہیں رہ سکتے۔ اپنے پیر و مرشد سیّد السّادات الحسنی والحسینی حضرت مولانا صدّیق دیندار قدس اللہ سرّہ العزیز کے پیش کردہ فکر و کردار کی روشنی میں حضرت مولاناؒ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی ہر ادا میں فنا تھے۔ تمام زندگی آپ کا گھر، آپ کے بیوی بچے اور زندگی کے معمولات دینِ اسلام کی اشاعت کے لیے چوبیس گھنٹے اور ہر لمحہ روحانی فیض کے لیے وقف تھے۔ آج بھی درس کا نظام اسی طرز پر جاری ہے جیسا کہ آپؒ نے اپنی زندگی میں اختیار کیا، دیندار سہ ماہی کی اشاعت بھی جاری ہے، سالانہ تقریبات بھی اسی طرح ہو رہی ہیں جیسے کہ آپؒ نے منعقد کیں۔ لیکن ایک احساس ہے کہ ایک عظیم روحانی سرپرستی ہمارے سر سے اُٹھ گئی کیونکہ وجود، وجود ہی ہوتا ہے۔ اسکی ہر ادا پتھر پر ایک لکیر ہوتی ہے۔ دنیا میں انقلابات بتدریج برپا ہوتے رہیں گے۔ حضرت مولانا صدّیق دیندار صاحب قبلہ کے ساتھیوں نے چودہ سو سال بعد دورِ حاضر کے اندھیروں میں قرنِ اولیٰ کی طرز پر روحِ اسلام کی شمع اپنے فکر و کردار سے روشن کی۔ کیا وہ روح عامۃ المسلمین میں اپنا جسم اختیار نہیں کرے گی؟ وہ ہستیاں جنہوں نے حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو حسین بنانے کے لیے اپنا حُسن قربان کر دیا اور رُخصت ہوگئے کیا ایسے وجودوں کی تکالیف سے پُر زندگیاں اور اسلام کی راہ میں وقف ہو جانے والوں کی مساعی رائیگاں جائے گی؟ ہرگز نہیں، اللہ وحدہٗ لاشریک کی قسم ہرگز نہیں۔ اللہ کو اپنے مختص بندوں کی بڑی غیرت ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ایک باخدا شخص کو ایک چھوٹے سے گاؤں میں چند افراد نے مل کر اپنی دانست میں سولی پر لٹکا دیا۔ سینکڑوں سال تک کوئی نہیں جانتا تھا کہ ایسا کوئی واقعہ بھی ہوا ہے۔ اکثر لوگ عیسیٰ کی شخصیت، اور ان کی تعلیمات سے ناواقف تھے۔ لیکن جب شہنشاہِ روم کونسٹنٹائن نے عیسائیت قبول کی تو تہلکہ مچ گیا۔ وہ عیسائیت جو ایک گاؤں تک محدود تھی آناً فاناً سلطنتِ روما کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ یہ ہے اللہ کی غیرت۔ مختصر یہ کہ روح کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ اب عامۃ المسلمین کے ذریعے جسمانی حیثیت سے جہاد فی سبیل اللہ کا کام باقی ہے۔ اسی ذریعے سے اسلام اور مسلمانوں کو دوبارہ عروج حاصل ہوگا انشاءاللہ۔ یہ وقتِ دعا بھی ہے اور وقتِ تبدیلیٔ فکر و عمل بھی۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

اہلِ حال وقال

فقیرسعید بن وحید صاحبؒ مبلّغِ اسلام

عقل کے معاملات میں دل کو بھی رکھ شریکِ کار　　　دل کے معاملات میں عقل کو اجنبی سمجھ

کیونکہ روح کے مضامین خلافِ عقل تو نہیں لیکن ماورائے عقل ضرور ہیں۔فقراء مبلّغینِ اسلام جب کامل اتبّاع نبیٔ کریم ﷺ کے نتیجہ میں دیدارِ حق سے فیض یاب ہوتے ہیں اور عالمِ جذب ومستی میں لذتِ دیدار کا تذکرہ کرتے ہیں تو کرم کتابی ان کے ظاہری الفاظ کی گرفت کر کے ان کے خلاف کیچڑ اُچھالنے لگتے ہیں۔ چنانچہ محی الدین ابن عربی الیواقیت ولجواہ میں فرماتے ہیں''کوئی شخص حقیقت کے درجات تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ ہزار دنیاوی صدیق اس پر زندیق ہونے کا فتویٰ نہ لگائیں۔اس لئے کہ جب کوئی بزرگ علوم واسرار بیان کرتا ہے تو یہ گروہِ علماء اسے ظاہری شریعت کے خلاف سمجھ کر اس کا انکار کرتا ہے۔''

امام حنبلؒ کا واقعہ: اہلِ قال اور اہلِ حال کا فرق حضرت امام حنبلؒ کے اس واقعہ سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ جب امام موصوف کے شاگردوں نے عرض کیا کہ آپ عالم محدث اور مجتہد ہیں اور ہر علم میں آپ کو وہ دستگاہ حاصل ہے کہ آپ کا کوئی مثل نہیں۔ پھر آپ ہر گھڑی ایک دیوانے (حضرت بشر حافیؒ) کے پیچھے کیوں پھرتے ہیں؟ یہ بات تو آپ کے شایانِ شان نہیں۔حضرت امام نے جواب دیا''بے شک تم سچ کہتے ہو جن علموں کے تم نے نام لیے ہیں میں ان علموں میں حضرت بشر سے زیادہ معلومات رکھتا ہوں لیکن خدائے تعالیٰ کو وہ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔''امام موصوف حضرت بشرؒ کے ساتھ ساتھ پھرتے اور کہتے تھے حدّثنی عن ربی ''مجھ سے میرے رب کی باتیں کہیے۔''(ماہنامہ تجلی دیوبند جون ۱۹۵۶ء ص ۶۰)

ورثۂ انبیاء: جس طرح جوانی کی کیفیت بچوں کو نہیں سمجھائی جاسکتی اسی طرح دیدارِ حق کے حقائق ان کی سمجھ میں نہیں آسکتے جنہیں زندگی میں کبھی ایک سچا خواب بھی نظر نہ آیا ہو۔حضور منبعِ انوار خاتم النبیّین ﷺ کا ارشاد ہے''جب زمانہ قریب ہو تو ممکن نہیں کہ مومن کا خواب جھوٹا ہو اور بہت سچا خواب میں وہ ہے جو بہت سچا ہے بات میں اور مسلمان کا خواب چھیالیسواں حصہ ہے نبوت کا۔''

اسی طرح بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ''نبوت میں سے صرف مبشّرات (سچی بشارات) باقی رہے ہیں۔''

ترمذی میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہﷺ سے لھم البشریٰ فی الحیوٰة الدّنیا (ان کے لیے بشارات ہیں دنیا کی زندگی میں) کے بارے میں پوچھا تو حضورﷺ نے فرمایا اس سے مراد خوابِ صالح ہے جس کو مومن دیکھتا ہے یا اسے دکھائے جاتے ہیں۔

ان احادیث کی رو سے وارثِ انبیاء وہی ہوسکتا ہے جو صاحبِ بشارت بھی ہو ایسوں ہی کے متعلق حضورﷺ نے فرمایا ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔)

کتابی عالم اللہ تعالیٰ کی ۹۹ صفات مانتے تو ہیں مگر اس پر غور نہیں کرتے کہ جب رحمٰن، رحیم، مالک، رب، رزّاق وغیرہ تمام صفاتُ اللہ عمل میں ہیں تو پھر اللہ کی صفت کلام کیونکر معطّل ہوگئی۔ وہ کلیم اللہ جو ہر زمانہ میں اہلِ حق سے کلام کرتا رہا۔ کیا اب خاموش ہوگیا؟ وہ یقیناً اب بھی کلام کرتا ہے وہ کلام جو وحیٔ نبوّت کی صورت میں بذریعۂ جبریلِ امین نازل ہوتا تھا حضور منبعِ انوار خاتم النبیّین احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفےٰﷺ پر ختم ہوگیا لیکن الہامات و بشارات کا سلسلہ جاری ہے اور ابدالآباد تک جاری رہے گا جیسا کہ فرمایا: اجیب دعوة الدّاع اذا دعان. ۱۸۶-۲ ''میں جواب دیتا ہوں پکارنے والے کا، جب وہ مجھے پکارتا ہے۔'' (لیکن سننے والے کے کان نہ ہوں تو قصور کس کا ہے؟)

موسیٰؑ کے طور پر جانے کے بعد ان کی قوم نے ان کے پیچھے عجل پرستی شروع کردی تھی۔ ان کے اس فعل پر انہیں ملزم گردانتے ہوئے اللہ رب العالمین فرماتا ہے الم یرو انّہ لا یکلّمھم ولا یھدیھم سبیلا. (۱۴۸-۷) ''کیا وہ نہ دیکھتے تھے کہ وہ بچھڑا ان سے بات کرتا ہے نہ انہیں راہ دکھاتا ہے؟'' اس فرمانِ ربی سے صاف ظاہر ہے کہ پرستش کے قابل وہی ذات ہے جو (۱) کلام کرے اور (۲) راہِ ہدایت دکھائے۔ جو لوگ اپنی کم فہمی اور بے بصیرتی کی بنا پر اہل اللہ سے اللہ کے کلام کا انکار کرتے ہیں وہ آیتِ بالا پر بار بار غور کریں۔۔

بانیٔ دیندار انجمن سیّد السّادات الحسنی والحسینی حضرت مولانا سیّد صدّیق حسین صاحب المعروف بہ صدّیق دیندار چن بسویشور قدس اللہ سرہ العزیز اپنی تصنیف ''دعوت الی اللہ'' کے صفحہ ۲۳-۲۴ پر فرماتے ہیں کہ ''اس امت کے اولیاء جو بولتے اور جو چاہتے اور کرتے ہیں۔ دریں حال وہ فنا فی اللہ کہلاتے ہیں جب وہ اپنی نفی کے بعد احدیت میں آتے ہیں تو وہاں نہ کوئی غیر نظر آتا ہے اور نہ غیر کا سایہ ھویت میں انآء مطلق کہہ اٹھتا ہے۔ انی انا اللہ. یہ وہ مقام ہے جس کی نسبت مولانا روم نے فرمایا ہے۔

اللہ اللہ گفتہ تو اللہ شوی	ایں سخن حق است واللہ می شوی
گفتۂ او گفتۂ اللہ بود	گرچہ از حلقومِ عبد اللہ بود
پیر را ذاتِ خدا را یک نہ دید	نے مرید ونے مرید و نے مرید

منصور بن حلاج نے اس مقام میں آکر سولی پر بھی انا الحق کہا سلطان العارفینؒ نے فرمایا ''لیس فی جبّتی سو اللہ'' شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے فرمایا

بلاد اللہ ملکی تحت حکمی وحکمی نافذ فی کل حال۔'' (دعوت الی اللہ ص۲۴۔۲۳)

توحید:

اہل اللہ اپنے آپ کو اللہ سے الگ نہیں سمجھتے اور ونحن اقرب الیہ من حبل الورید (۱۶.۵۰) ''اورہم اس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں'' اور واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہٖ (۲۴۔۷) ''اور جان لو کہ اللہ، انسان اور اس کے دل کے درمیان ہے۔'' کہنے والے اللہ کو بندہ سے الگ کرنا شرک سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس ''کتابی توحید'' کا ڈھنڈورا پیٹنے والے معرفتِ حق سے محروم زبانی موحد جو عملاً ہزاروں شرک صبح سے شام تک کرتے ہیں اللہ کو بندہ سے الگ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ توحید کے لغوی معنی بھی ''ایک کرنا'' ہیں نہ کہ الگ کرنا۔ ہر کامل فنا فی الرسول مبلّغ اسلام نے فنا فی اللہ ہوکر اپنے آپ کو بروزِ محمدﷺ اور مظہر اللہ کہا اور اہلِ حق نے ان کے اس مقام کی تصدیق کرکے تبلیغ اسلام میں تن من دھن سے ان کا ساتھ دیا۔

صحابہ کرامؓ کی فنائیت: یارِ غارِ مصطفٰے امیر المومنین سیّدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ (جن کی فنائیتِ تامہ کی تصدیق خود قرآن کریم نے ثانی اثنین اذھما فی الغار کہہ کر کی) کا جب وصال ہوا تو حضرت علیؓ نے فرمایا دراصل رسول اللہﷺ آج ہم سے جدا ہوئے ہیں۔

غزوۂ خندق کے موقعہ پر حضورﷺ نے بشارت دی تھی کہ میرے ہاتھ میں قیصر وکسریٰ کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔ دورِ فاروقی میں جب وہ ملک فتح ہوئے تو امیر المومنین سیّدنا حضرت عمر فاروقؓ نے ان کے خزانوں کی کنجیاں ہاتھ میں لے کر اس بشارت کی تکمیل میں فرمایا ''یہ ہاتھ رسول اللہﷺ کا ہاتھ ہے۔''

اسی فنائیتِ کاملہ کے سبب ابراہیمؑ کا بنایا ہوا گھر بیت اللہ کہلایا، حضرت صالحؑ کی اونٹنی ناقۃ اللہ کہلائی۔

فرمانِ نبویﷺ:

احمد ابن ابی ماثم اور بیہقی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ کے کچھ بندے ہیں جو نبی اور شہید نہیں لیکن نبی اور شہیدان کے مرتبہ اور ان کے اللہ تعالیٰ کے قرب پر رشک کریں گے۔(روح المعانی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ''تحقیق اللہ کے بندوں میں سے کچھ بندے ہیں کہ انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ اور جب لوگوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ تو آپ نے ان کے متعلق کچھ باتیں بیان کر کے فرمایا الا انّ اولیآء اللہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون. (ابن کثیر)

دراصل اولیاء اللہ کا بطورِ تحدیث نعمت اس طرح اپنے مقاماتِ روحانی کا تعارف کرانا مخبر صادق ﷺ کی قرب ونوافل والی مشہور حدیث کی عملی تفسیر ہوتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' میرا بندہ نوافل کی ہیشگی سے میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔''

ہندوستان مستقبل کے آئینے میں

فقیر حبیب بن وحید صاحبؒ مبلّغِ اسلام

﴿یہ مضمون ۱۹۸۲ء میں تحریر کیا گیا تھا۔﴾

اے مسلمانانِ پاکستان!

لیلۃ القدر ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ میں عالمِ اسلام کی سب سے بڑی مملکتِ پاکستان کا قیام تمام فرقہ ہائے اسلامی کی مشترکہ جدوجہد اور دعاؤں سے عمل میں آنا بذاتہٖ ایک بہت بڑا اشارہ تھا۔ جو تمام دنیائے انسانیت کے سامنے بجا۔ یہ لیلۃ القدر خیر القرون کی پہلی تین صدیوں کے بعد ایک ہزار سال کے ایک ہزار رمضان کے مہینے گذرنے کے بعد خیــر مّــن الف شھر کی صورت میں حتّٰی مطلع الفجر کے لیے آئی تھی۔ اس میں نزولِ ملائکۃ وروح ہو چکا ہے۔ اہلِ بصیرت اس راز سے واقف ہیں۔ پوری دنیا کے ہنگامہ ہائے روز وشب اسی ارادۂ خداوندی کے گرد گھوم رہے ہیں۔ اس راز کو ہم مسلسل عالمِ اسلام پر کھول رہے ہیں۔ انقلاب خود ''مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ'' کی صورت میں طلوع ہو چکا ہے۔

؎ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

عالمِ اسلام پاکستان کو اسلام کا قلعہ کہہ رہا ہے۔ تمام عالمِ اسلام میں دینی حرارت بدرجہ کمال اسی خطہ کے قلوب میں پائی جاتی ہے۔ آج دنیائے کفر کی خشمگیں نگاہیں یہیں جمی ہوئی ہیں۔ تمام بڑی طاقتوں کی آماجگاہ اور اکھاڑہ یہی خطہ بن رہا ہے۔ ہندوستانی راج سبھا اور لوک سبھا کے حالیہ بیانات اسی کی غمازی کر رہے ہیں۔ گویا کفر اور اسلام کا سب سے بڑا اور فیصلہ کن مورچہ یہی خطہ بن رہا ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔ ایسی صورتِ حالات میں تاریخ انسانیت ایک ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اس کی عقدہ کشائی یا تو انبیاء کے ہاتھ میں رہی یا ختمِ نبوت کے بعد اس کی کنجی اولیاءِ وقت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ہم علیٰ وجہ البصیرت پوری ذمہ داری کے ساتھ ایک بار پھر تمام ذمہ دارانِ سیاہ وسفید کو کہتے ہیں کہ اپنی اوّلین فرصت میں اس پیغام پر لبیک کہیں جو خدائی پروگرام ہے۔ ورنہ خدائی ارادہ اپنی ہر رکاوٹ کو روندتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔

عرفت ربی بفسق العزائم سب کے ارادے ٹوٹ کر اللہ کا ارادہ پورا ہوتا ہے۔ یہی سنت اللہ ہے۔ عالمِ اسلام پہلے کفر سے جنگ سے فارغ ہوگا تب جا کر شریعتِ محمدی بحسنِ تمام نافذ ہوگی۔ قصہ مختصر پاکستان اپنی ہر کوشش میں تشنگی کا شکار رہے گا تا آنکہ اللہ کے اس ارادہ کو، جس کا قرآن کریم، احادیث، ارشاداتِ اولیاءِ کرام حتّٰی کہ کتب ہائے مقدسۂ اہل ہند میں ذکر ہے، پورا نہ کرلے اور وہ ہے ''ہندوستان کو مسلمان کرنا'' جس کی شکل تبلیغ اور جہاد ہوگی۔ یعنی اہل ہنود کے سامنے انہی کی کتابوں سے اسلام کو ثابت کر کے دعوتِ اسلام دی جائے گی اور پھر جزیہ یا جہاد کا مطالبہ ہوگا۔ فقراء تبلیغی مہم کو انجام دے چکے ہیں۔ جہاد تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے اس لیے آپ سے ان تنصرو اللہ کہا جارہا ہے کہ اللہ کے کام کے لئے آگے بڑھو۔ یہ ایک مثبت انداز ہوگا اور اس کا نتیجہ بھی مثبت ہوگا ورنہ دوسری شکل منفی رنگ کی ہے یعنی دنیائے کفر خود آپ پر الٹ کر آرہی ہے۔ مشرقِ وسطٰی میں یہود اور مشرقِ بعید میں ہندوستان۔ آپ اندازہ لگائیں کہ تمام عالم اسلام کی مصلحتوں، رعایتوں اور رواداریوں کا حشر کیا ہوا۔ کہاں صحابہؓ کے وجودوں کا جلال کہ کسریٰ اور قیصر ہیبت کھائیں اور کہاں موجودہ صورتِ حالات! لہٰذا یہ صورت اب بدلے گی چاہے اس کے لیے قدرت کو آپ کو مزید جھنجھوڑنا پڑے۔ ہندوستان میں ہونے والے فسادات اور ایسٹ پاکستان کا واقعہ بصورتِ بنگلہ دیش ہمارے لیے کافی تھا مگر ہم نہیں سنبھلے۔ اب جو رنگ پاکستان میں ابھرا ہے اس کا علاج بھی خدا کے ارادے کے سامنے سجدہ ہے جو ہزار سجدوں سے نجات دلائے گا۔ ورنہ بعد از خرابیٔ بسیار خدا کی بات ہی کے سامنے سرنگوں ہونا پڑے گا۔

ہندوستان پر جہاد کے قرآنی واضح اشارات

۱۔ صحابہؓ کے دور سے ہندوستان پر تبلیغی حجتیں ہوتی رہیں اور جہاں تبلیغ ہوتی ہے قرآن کی روشنی میں وہاں جہاد کا میدان گرم ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کا مسلسل تبلیغی کام بعد ازاں ہندوستان میں مسلمانوں کا ورود اور جنگیں اور مسلم سلطنتوں کے قیام اور اب لیلۃ القدر میں پاکستان کا وجود اسی قافلہ کی پیش رفت ہے جسے آپ خلافت علیٰ منہاج نبوّت کہتے ہیں۔ جو آخر میں اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ نظر آئے گی وہ دن اب دور نہیں۔ مگر یہ سنت اوّل ہی کی طرح جہاد فی سبیل اللہ کے بعد ہوگا۔ قرآن کی روشنی میں تبلیغ کے بعد ہجرت اور اس کے بعد جہاد سیرۃ النبی ﷺ ہے۔ اور یہی تاریخ اسلام سے ثابت ہے۔

۲۔ سورۃ النساء میں کمزور مرد، عورتیں اور بچے جب کفر کے ظلم پر مسلمانوں کو مدد کے لیے پکاریں تو جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور عالمِ اسلام میں یہ صورتِ حال سب سے زیادہ ہندوستان پر صادق آتی ہے۔ خود حکومتِ ہندوستان اس بات پر قائل

ہے کہ وہاں سالانہ دوسو ہندو مسلم فسادات کا اوسط رہا ہے۔

۳۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں کو جہاد کا حکم قرآن کریم کا صریح حکم ہے اور عالمِ اسلام میں سب سے بڑی ہجرت قیام پاکستان کے وقت ہوئی ہے۔(سورۃ الحج)

۴۔ سب سے زیادہ ہندوستان میں اسلام کے خلاف لکھا، بولا اور کیا جارہا ہے۔اردو جو مذہب وتہذیب کا گہوارہ تھی ہندوستان کے طول وعرض سے تقریباً نابود کردی گئی ہے۔بات اردو کی نہیں بلکہ اس نیتِ ناپاک کی ہے جو درپردہ ہے۔ تاکہ آنے والی نسل اپنی روایات تک مذہب وثقافت وتہذیب سے مکمل ناآشنا ہوجائے۔

۵۔ ہندوستان ہی وہ ملک ہے جہاں شدھی تحریکات نت نئے روپ میں جنم پارہی ہیں اور تشدد جن سنگھ، مہا سبھا وشوا پریشد کی صورت میں روپ دھار چکا ہے۔اس کی بنیادان کا جذبۂ اکھنڈ ہندوستان ہے۔اس کا علاج بھی قرآن کریم کی روشنی میں جہاد فی سبیل اللہ ہے(سورۃ المائدہ)

ارشاداتِ نبی کریم ﷺ

۱۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ہندوستان سے ٹھنڈی ہوا آرہی ہے جس کو علامہ اقبال نے

میرعرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے میراوطن وہی ہے میراوطن وہی ہے

کہہ کر نظمایا ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ہم سے جہادِ ہندوستان کا وعدہ فرمایا۔حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اگر میں اس زمانہ میں ہوا تو جان و مال سے شریک ہوں گا اور اگر مارا گیا تو افضل ترین شہیدوں میں میرا شمار ہوگا اور اگر زندہ واپس آگیا تو آتشِ دوزخ سے آزاد ابوہریرہؓ کہلاؤں گا

حوالہ:۔مسند امام احمد حنبلؒ(جلد۲صفحہ ۲۲۹۔نسائی کتاب الجہاد باب غزوۃ الہند جلد ص۶۴۔تاریخ الکبیر امام بخاریؒ جلد ۱ص ۲۴۲)

۳۔ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ نبی ٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی دو جماعتیں آتش دوزخ سے بچ نکلیں ایک وہ جماعت جو غزوۂ ہند میں شریک ہوگی۔ اور دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ بن مریم کا ساتھ دے گی۔ (نسائی کتاب الجہاد و باب غزوۃ الجہاد جلد ۲ ص ۶۴۔ مجمع الزاوائد۔ جلد ۵ ص ۲۸۲۔ الطبرانی فی الوسط فی الاوسط فیض القدیر شرح جامع التصخیر جلد ۴ ص ۳۱۷)

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نبی ٔ کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے جتنی جنگیں لڑیں اس میں کافر کے سامنے کلمہ یعنی دعوتِ اسلام رکھی ورنہ جزیہ یا جہاد کا مطالبہ تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اصولِ جہاد **قاتلوا ھم حتی لا تکون فتنة و یکون الدین کلہ لله** بتایا گیا ہے کہ فتنہ بالکل ختم کر دیا جائے اور دینُ اللہ نافذ ہو جائے یہی مقصدِ جہادِ فی سبیل اللہ ہے۔ گویا ہندوستان سے جس غزوہ کی بشارت حضور ﷺ نے دی ہے وہ ہندوستان کے مسلمان ہو جانے کا اعلان ہے۔

ہندوؤں کی مذہبی کتب

۱۔ کلیوگ سے پاپ دھویا جائے گا۔ دینی حکومت قائم ہوگی۔ دھرم کا گرو اللہ کا سچا بندہ (چن بسویشور) ہوگا۔ کفر سب مٹ جائے گا۔۔۔۔۔۔ پتھر کی مورتیوں کی پوجا بند ہو جائے گی۔

۲۔ سنو جی سنو! اب کیا ہوگا؟ دنیا کو آگ لگائے اللہ کا سچا بندہ (چن بسوایشور)۔۔۔ ترپتی، ترملی کی دولت ہمپی میں تقسیم کریں گے (ترپتی اور ہمپی جنوبی ہند کے دو مشہور دیوستان ہیں جن میں کروڑوں کی دولت دفن ہے۔) برہمنوں کو گوشت کھلایا جائے گا۔۔۔ کاشی کا لنگ توڑ دیا جائے گا۔ سری شیل کی دیول توڑ دی جائے گی۔۔۔۔ والی کا خزانہ نکال کر میدان میں ڈالیں گے۔ (یہ راون اور والی کا لوٹا ہوا مال ہے جو ہمپی کے مقام پر دفن ہے۔ ایک پدم تا تین پدم مقدار بتلائی گئی ہے۔) (کنڑی ویر برہمیا ص ۲)

۳۔ اللہ کے سچے بندے (چن بسویشور) کے زمانے میں دنیا کی خیر نظر نہیں آئے گی۔ بارہ لاکھ فوج سے لیس ہو کر آئے گا۔ مشرقی چندر گری (ترپتی) کو خان خانوں کے ساتھ مل کر چلے گا۔ سری گری (ترپتی) میں ترملیش کا خزانہ نکالے گا۔ روم کے خان اٹھ آئیں گے۔ ہیمو خان مستی توڑیں گے۔۔۔۔ شمالی خان چڑھ کر آئیں گے۔ دنیا تہ بالا ہو جائے گی۔ آٹھوں سمتیں

الٹ پلٹ ہو جائیں گی۔ہمپی میں سب جھنڈے جمع ہو جائیں گے۔ والی کا خزانہ نکالنے کا وقت آ جائے گا۔۔۔اللہ اللہ کہتے ہوئے سب خان پچھمی دیوی پر بے ساختہ ہو کر لپکیں گے۔(دولت نکال باہر کریں گے)(چن بسویشور کالگنان۔شرن لیلا مرت قدیم نسخہ)

۴۔ ترک (مسلمان) تر یتی کے دیوستان میں گھسیں گے مسلمانوں کو دولت مل کر تین گھڑی میں بڑے بڑے گنبد اور مقبرے بنائیں گے۔(پوتلوروبر ہمیا ص ۱۱)

۵۔ سری گروچن بسویشور(اللہ کا سچا بندہ) بادشاہِ روم(ترک بادشاہ) روس والے مسلمان ۹(نو) پالے گار(حکمران) مل کے بے حساب یعنی ایک پدم سے تین پدم تک دولت والی بھنڈار سے نکال لیں گے۔۔۔۔۔سیاست اور مذہب(خلافت) دونوں مل کر چلائیں گے۔(اکھنڈمنی)

۶۔ گنتی کے ۸۵ ہزار گھوڑے سوار مست پٹھان بڑی ندی(دریائے سندھ) پار ہو کر کرناٹک میں داخل ہوں گے۔ہری ہر کے دیول کی مورتیاں توڑیں گے۔اور تیرتھ اوران کے مقامات سب نیست ونابود کر دیں گے۔مسلمانوں کی فوج بلند آواز کے ساتھ نعرے مارتے ہوئے (اللہ اکبر کے) لڑے گی۔ان کے مقابلے کی تاب کسی کو نہ ہوگی۔۔۔۔حشرات الارض کی طرح مسلمانوں کی فوج تر یتی میں داخل ہوگی۔سری وینکٹیش کی دیول میں گھس کر نذرمانا ہوا خزانہ چھوڑیں گے۔(کوڑیکل بسپا ص ۷۰۔۶۹)

ناظرین یہ تمام ان کی اپنی کتابوں میں درج ہے۔ ؎ ہمیں گویست وہمیں میداں۔گھوڑا میدان سامنے آچکا ہے۔

یہ کتابچہ پاکستان کی ہر ذمہ دار شخصیت کو بھجوایا جا رہا ہے۔ہمارا دیانت دارانہ مشورہ ہے کہ سیاسی اور مذہبی دھڑے بندیوں کو ختم کر کے اللہ کے دین کی اشاعت کے لیے جہاد فی سبیل اللہ کا اعلان کریں۔پاکستان کا بچہ بچہ مجاہد ہو۔اسرائیل میں اسلحہ کی ٹریننگ لازمی ہے۔آپ کے یہاں نماز بھی مسلح پڑھنے کے لیے کہا گیا ہے۔جس کا بے حد ثواب بتایا گیا ہے۔ہر کلمہ گو اہل قبلہ کو مسلمان اور ہر زبان وخطہ کے مسلمان شہری کو وفادار تصور کیا جائے اور خدا کی رضا کا کام کیجئے۔اللہ آنے والی نسلوں میں آپ پر درود وسلام بھجوائے گا اور آپ سے قومیں اپنے شجرے ملائیں گی۔(ماخوذ)

طریقِ اصلاح

فقیر محمود احمد صدیقی صاحبؒ مبلّغِ اسلام

جب انسان کی اخلاقی حالتیں پائے کمال کو پہنچتی ہیں تو نفس مطمئنہ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ یہ عمل فطری عمل ہوتا ہے۔ یعنی اصول فطرت کے تحت نفس مطمئنہ کے لیے منجانب اللہ مژدہ طلب ملتا ہے۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ سے ظاہر ہے **یا ایتھا النفس المطمئنہ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی o** ''اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پا گیا۔ اپنے خدا کی طرف واپس آ! تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں مل جا اور میری بہشت کے اندر آ جا''۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان میں رب ذوالجلال سے خاص الفت ہوتی ہے اور اس کے نفس کی ساری کمزوریاں دفع ہو جاتی ہیں۔ اور اس کی غذائے روحانی خدا کی محبت و معرفت ہوتی ہے۔ جس سے اس کی ربوبیت وابستہ ہوتی ہے۔ اس طرح یہ موت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات پاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا **قد افلح من زکّٰھا o وقد خاب من دسّٰھا o** یعنی جس نے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بچ گیا اور نہیں ہلاک ہوگا۔ مگر جس نے ارضی جذبات کی پیروی کی وہ زندگی سے مایوس ہو گیا۔

نفس مطمئنہ میں انسان ایک تو اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے، جیسا کہ رجوع ہونے کا حق ہے۔ دوسرے دنیا و مافیہا اس کی نظر میں کوئی معنی نہیں رکھتے، حتّٰی کہ چمکدار سے چمکدار شے اس کی بصارت کو اچک لے جا نہیں سکتی۔ اس کے سارے تقاضوں کا ماحصل اللہ تعالیٰ کی توجہ اور قربت ہوتا ہے۔ رب العالمین کی مرضی اس نفسِ مطمئنہ کے قائم مقام کی مرضی ہوتی ہے۔ طالب و مطلوب اس منزل میں ایک دوسرے کے افعال و ارادوں کے ترجمان ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ خدا بندے کا ہاتھ بن کر پکڑتا ہے۔ پیر بن کر چلتا ہے۔ زبان بن کر کلام کرتا ہے۔ غرض کہ بندے کی ہر حرکت خدا کی حرکت بن جاتی ہے۔ یہاں بندہ کا اپنا کوئی فعل یا اپنا کوئی ارادہ نہیں رہتا۔ بلکہ ساری حرکات و سکنات ذات اعلیٰ صفات خالق ارض و سما سے وابستہ ہوتی ہے۔ اور یہی عمل بندہ کو داخل فی عباد اللہ کر دیتا ہے۔ اس طرح حقیقی معنوں میں بندہ، بندۂ خدا کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ بس یہی **فطرت اللہ** ہے اور یہی **فطر الناس علیھا**۔

تحریر بالا اصلاحی طریق کے بیان میں جن نفوس1 کا ذکر کیا گیا ہے۔ انہی کو باالفاظِ دیگر کامل شریعت کہتے ہیں۔ یہی وہ طریق ہیں جن سے بنی نوع انسان کے ان کمزور پہلوؤں کی اصلاح ہو سکتی ہے جو بدصحبتوں اور غیر فطری افعال کے زیر اثر مفلوج سے ہو کر رہ گئے ہیں۔ اوران نفوس کی خصوصیات یہی ہیں کہ یہ بتدریج انسان کے سدھار کا کام کرتے ہیں۔ ان کے فعل کا انسان کے دل و دماغ پر گہرا اثر ہوتا ہے اور اس کی حالت میں زبردست تغیر و تبدل لاحق ہونے لگتا ہے چنانچہ اسی کیفیت کے زیر اثر وہ سب سے پہلے وحشیانہ حالت سے انسان بنتا ہے۔ پھر انسان سے با اخلاق انسان۔ اور با اخلاق انسان سے با خدا انسان۔ بس یہ فطرت کا عین تقاضا ہے۔ اس طرح کلیتاً شریعت حقّہ پر قائم ہونے کے یہ معنی ہوئے کہ اس نے درجہ بدرجہ بنی نوع انسان کے حقوق سے واقفیت حاصل کر لی۔ بعدۂ وہ عدل اور احسان، ہمدردی و غمگساری، تدبر و تفکر، عفو و صبر، انتظام و معاشرت ساری قوتوں کو اپنے اپنے محل پر استعمال کرنے لگتا ہے۔ اور اپنی حاصل شدہ مقبوضات میں سے سب کا حق حسب مراتب ادا کرتا ہے۔

حاصل کلام وہ بنی نوع کی حیات کا سامان بنتا ہے۔ ہر ایک کو اپنے فیض محبت سے مستفید کرتا ہے۔ ما بعد منجانب اللہ کمال انکساری اس درجہ ودیعت کی جاتی ہے کہ کبھی وہ زمین کی طرح ہر ذی جان کیلئے بطور فرش ہو جاتا ہے۔ اور سب کو اپنے کنار عاطفت میں لے کر انہیں روحانی غذاؤں کی سیر کراتا ہے۔ تو کبھی آسمان کی طرح ساری مخلوقات پر حق و انصاف سے روحانی بارش برسا کر قلوب کی ویران زمین کو سبزہ زار بناتا ہے اور رات کی طرح ہر ایک کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے اور دن کی طرح نورانی شعاعوں سے سب کو فیض پہنچاتا ہے۔ غرض غایتِ تخلیق کا پورا پورا نظارہ اپنے عمل سے پیش کرتا ہے۔ بس یہی ایک منزل ہے جس پر انسان کو خیمہ افگن ہونا ہے۔ اِلّا اس کے کوئی نجات دہ صورت نہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ عقلِ خام کو خیر باد کہے اور عقلِ سلیم کی رہنمائی اور توشۂ تحمّل و برداشت کی معیت میں سیماب پا بن کر منزلِ فنا فی اللہ کی راہ پر گامزن ہو جائے۔ (ماخوذ از ''طریقِ اصلاح'')

1: نفسِ امّارہ، نفسِ لوّامہ، نفسِ مطمئنّہ۔

مسلم سے خطاب

زندگی کی نئ شہ رہ سے گذرنا ہے تجھے
مثل کوکب سرِگردوں پہ ابھرنا ہے تجھے
پھر سے ایک بار رہِ عشق میں مرنا ہے تجھے
تیری منزل پہ بہرحال ٹھہرنا ہے تجھے
راہِ گم کردہ کو اب راہ پہ لانا ہے تجھے
اٹھ اے مسلم کہ زمانے کو جگانا ہے تجھے

اے وہ متلاشیِ حق ذوقِ نظر پیدا کر
دور اول کے وہی قلب و جگر پیدا کر
اپنے ہر لفظِ تکلم میں اثر پیدا کر
کفر کی شب کی سیاہی میں سحر پیدا کر
مشعلِ حق کو حقیقت میں جلانا ہے تجھے
اٹھ اے مسلم کہ زمانے کو جگانا ہے تجھے

دامنِ زہد کو ہر خار سے بچا کے نکل
خرمنِ کفر پہ برقِ نگہ گرا کے نکل
بے ثباتیِ جہاں سے خدا کو پا کے نکل
خود کو اوصافِ صحابہؓ سے پھر سجا کے نکل
درس عرفان و حقیقت کا پڑھانا ہے تجھے
اٹھ اے مسلم کہ زمانے کو جگانا ہے تجھے

اے درِ فقر پہ شاہوں کو جھکانے والے
صفحۂ ہستی سے ظلمت کو مٹانے والے
اے سنبھلتے ہوئے سرکش کو گرانے والے
سر بصد شوق رہِ حق میں کٹانے والے
پھر سے اِک بار اسی خوں میں نہانا ہے تجھے
اٹھ اے مسلم کہ زمانے کو جگانا ہے تجھے

مردِ میداں ہی تو مرمر کے جیا کرتے ہیں　　جی کے مرتے ہیں سبھی یہ مر کے جیا کرتے ہیں
خوش مزہ جامِ شہادت کو پیا کرتے ہیں　　گلشنِ دیں کو ہرا خوں سے کیا کرتے ہیں
آ کہ قدموں کو اسی راہ اٹھانا ہے تجھے
اٹھ اے مسلم کہ زمانے کو جگانا ہے تجھے

تونے پیشانیٔ کسریٰ پہ بھی بل ڈالا تھا　　غنچۂ کفر کو معہ اصل مسل ڈالا تھا
سرکشوں کو زیرِ پا تونے کچل ڈالا تھا　　تو ہی ہے جس نے زمانے کو بدل ڈالا تھا
اس طرح اعداءِ اسلام مٹانا ہے تجھے
اٹھ اے مسلم کہ زمانے کو جگانا ہے تجھے

اے کہ گل زیبِ چمن نازِ گلستاں ہے تو　　یعنی خوش بخت جواں سال مسلماں ہے تو
اتنا ہوتے ہوئے پھر کس لیے حیراں ہے تو　　اٹھ بھی جا! باندھ کمر غازیٔ میداں ہے تو
کفر وشر کے در و دیوار ہلانا ہے تجھے
اٹھ اے مسلم کہ زمانے کو جگانا ہے تجھے

قرآن کے متعلق مذاہب عالم کی الہامی کتب میں بشارات

ادارہ

زبور۔۲۲:۶ میں لکھا ہے ''خداوند کا کلام پاک ہے۔اس چاندی کی مانند جو بھٹی میں مٹی پر تاپی گئی ہو اور سات بار صاف کی گئی ہو۔'' قرآن ہی اس پیشگوئی کا مصداق ہے۔اس پیشگوئی میں داوٗد نے قرآن کی حالت بیان فرمائی ہے کہ وہ خداوند کا کلامِ پاک ہے جو خالص بھی ہے اور محفوظ کلام بھی ہے۔ اس کے برعکس دنیا کی تمام مذہبی کتابیں مفقود ہو چکی ہیں۔اگر کچھ ہیں بھی تو ان میں یا تو تحریف واقع ہوئی ہے یا تو وہ ان کے زمانۂ نزول کے بعد کی لکھی ہوئی ہیں۔جس کا اعتراف خود اہلِ کتاب کرتے ہیں۔

قرآن ایسا صاف کلام ہے جیسا سات بار صاف کی ہوئی چاندی ہوتی ہے۔اس کی تفہیم کے لیے قرآن نے سورۂ فاتحہ کو پیش کیا ہے جو سات آیات پر مشتمل ہے اور وہ ساری کتاب کا خلاصہ ہے۔وہ سات آیات قرآن کے مطالب کو بار بار دہرا کر یہ حقیقت ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن کی تشریح میں عقلِ انسانی کو دخل نہیں ہے۔بلکہ الفاظ وتشریح میں سارا قرآن خداوند کا کلام ہے اور وہ پاک ہے۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ تلاوت کرنے والوں کے قلب کو بھی پاک کرتا ہے۔

یسعیاہ نبی کتاب۔باب ۲۸:۹۔۱۳ میں لکھا ہے ''حکم پر حکم، قانون پر قانون، تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں ہوگا۔''

تمام دنیا کی الہامی کتابوں میں تاریخی طور پر صرف قرآن مجید ہی ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں کچھ مکہ میں، کچھ مدینہ میں اور کچھ سفر میں اور کچھ جنگلوں میں، غرضیکہ ۲۳ سال تک بلحاظ وقت، مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں نازل ہوئیں۔ایسا ہونا بھی ضروری تھا۔اس لیے کہ واقعات کا ظہور یکے بعد دیگرے ہوتا ہے اور واقعات کے لحاظ سے احکام نافذ ہوا کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ یسعیاہ نبی کی بشارت قرآن کے متعلق تھی۔حضرت محمد ﷺ کی بعثت نے اس پیشگوئی کو پورا کیا اور واقعہ متعلقہ کو قرآن نے بھی اس طرح بیان کیا ہے: وقال الّذین کفروا لولا نزّل علیه القراٰن جملةً وّاحدةً ج کذالک ٥ لنثبّت به فؤادک ورتّلنٰه ترتیلا ٥ (سورۂ فرقان۔آیت ۳۲) یعنے اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں اس (محمد ﷺ) پر قرآن سارا ایک دفعہ ہی کیوں نہ اتارا گیا۔اسی طرح (ضروری تھا) تا کہ ہم اس کے ساتھ تیرے (محمد ﷺ کے) دل کو مضبوط کرتے رہیں۔

اس نبی کی کتاب باب ۲۹:۹ تا ۱۲ میں لکھا ہے ''ٹھہر جاؤ اور تعجب کرو، عیش وعشرت کرو اور اندھے ہو جاؤ۔وہ مست ہیں پر مئے سے نہیں۔وہ لڑکھڑاتے ہیں پر نشہ میں نہیں کیونکہ خداوند نے تم پر گہری نیند بھیجی ہے اور تمہاری آنکھوں کو نابینا کر دیا اور تمہارے سروں یعنی غیب بینوں پر حجاب ڈال دیا۔اور ساری رویا تمہارے نزدیک سربمہر کتاب کے مضمون کی مانند ہوگی جسے

لوگ پڑھے لکھے کو دیں اور کہیں اس کو پڑھ۔ اور وہ کہے میں پڑھ نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ سربمہر ہے۔ اور پھر وہ کتاب ناخواندہ کو دیں اور کہیں اس کو پڑھ اور وہ کہے میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔''

قرآن ہی دراصل وہ سربمہر کتاب ہے جو نبیؑ امی ﷺ پر نازل ہوئی اور جس کے نزول پر اہلِ کتاب ایمان نہیں لاتے۔ اہل کتاب کو قرآن دے کر کہیں کہ اسے پڑھ اور وہ کہے میں پڑھ نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ سربمہر ہے۔ پھر اس کتاب کو ان پڑھ کو پڑھنے کو دیں تو وہ کہے میں پڑھنا نہیں جانتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب جبرئیلؑ قرآن کی وحی لے کر آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کے پاس آئے اور کہا اقراء یعنے پڑھ۔ آپ ﷺ نے فرمایا **ما انا بقاری** یعنے میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر جرائیلؑ نے سنایا اور آپ ﷺ نے پڑھا۔ پھر اس پیشگوئی میں جو الفاظ آئے ہیں ''خداوند نے تمہاری آنکھوں کو نابینا کر دیا'' اس کا مطلب قرآن نے اس رنگ میں بیان کیا ہے **فلآ اقسم بما تبصرون وما لا تبصرون انهٗ لقول رسولٍ کریم o** یعنے قسم ہے اس کی جو تم لوگ دیکھتے اور اس کی جو تم نہیں دیکھتے ہو وہ ضرور رسولِ کریم کا قول ہے۔ (یعنے رسول کا اللہ سے وحی پا کر اپنی زبان سے سنایا ہوا کلام ہے۔) قرآن کے مس کرنے کے متعلق یہ بھی فرمایا گیا **لا یمسّہ الا المطھرون** یعنے پاک لوگ ہی اس کو چھو سکتے ہیں۔ پس یسعیاہ نبی نے قرآن کے بارے میں بشارت دی تھی۔ جس کے نزول سے وہ پیشگوئی پوری ہو چکی۔

مکاشفاتِ یوحنا: باب۱۲:۶ میں لکھا ہے ''اور میں نے ایک فرشتہ کو انجیل ابدی لیے ہوئے دیکھا کہ آسمان کے بیچوں بیچ اڑ رہا تھا تاکہ زمین کے رہنے والوں اور سب قوموں اور فرقوں اور اہل زبان کو خوشخبری سنائے۔''

انجیلِ ابدی: یہ کتاب دراصل قرآن مجید ہے جس کو یوحنا حواری نے میدانِ حج کے مکاشفہ کے وقت ہی دیکھا۔ آسمانوں کے بیچوں بیچ فرشتہ کے اڑنے کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم ان تمام ملکوں میں، جو منطقہ البروج کے سیدھے خطوط کے تحت واقع ہوں گے یعنے دنیا کے آباد اور متمدن ملکوں میں، جلد پہنچ جائے گی۔ اور جو مما لک قطبین کے قریب ہیں ان میں دیر میں پہنچے گی۔

قرآن کریم اور یوحنّا عارف کا مکاشفہ:

قرآن پاک کا معجزہ یوحنّا عارف کا مکاشفہ میں اس طرح بیان ہوا ہے:

''اور جو تخت پر بیٹھا تھا میں نے اس کے داہنے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی جو اندر سے اور باہر سے لکھی ہوئی تھی اور اسے سات مہریں لگا کر بند کیا گیا تھا۔'' (یوحنّا عارف کا مکاشفہ ۵:۱)

اس مکاشفہ میں ''اندر سے اور باہر سے لکھی ہوئی کتاب'' ہونا قرآن پاک کی ہی شان ہے کیونکہ باہر (صفحات پر) تو ہر کتاب

ہی لکھی ہوئی ہوتی ہے لیکن اندر (سینے میں حفظ) لکھے ہونے کا اعجاز صرف قرآن کریم کو حاصل ہے۔اور ''سات مہریں'' سورۂ فاتحہ کی سات آیات ہیں۔جنہیں قرآن کریم میں سبعاً من المثانی (الحجر۱۵:۸۷)''بار بار دہرائی جانے والی سات آیتیں'' بھی کہا گیا ہے۔نیز قرآن حکیم کی منازل بھی سات ہیں جو چودہ سو سال سے چلی آتی ہیں۔

''سات مہریں لگا کر بند کرنا'' قرآن پاک کے انسانی تحریف سے پاک رہنے کی طرف اشارہ ہے۔

ہندو مذاہب کی کتب میں قرآن کی بشارات:

ویاس اپنشد کے شرتی ۳ کھنڈ ۳ میں لکھا ہے'' تاریخ پران، وید، اپنشد، انجیل زبور سب سچے ہیں۔ان سب کی نسبت خدا نے کہا ہے کہ وہ کل قرآن نام والی کتاب سے نکلی ہیں وہ کتاب نازل ہوگی۔(مترجمہ رنگا چاری۔۔۔۔)

نیتی شاستر کے ابتدائی فقرہ میں لکھا ہوا ہے'' سبھالپا ترم وندے'' یعنی میں سلام کرتا ہوں اس جماعت کو جو کلپا (یہ درخت جنت میں ہے جو اس سے مانگنے والوں کو ہر چیز دیتا ہے) نامی درخت جیسی ہے۔جس کی شاخیں وید ہیں۔جس کے پھول شاستر ہیں۔جس کے بھونرے علماء ہیں۔

بھگوات: ادھیاء ۱۵ اشلوک ۷ میں لکھا ہوا ہے'' اس درخت کی جڑ میں ہوں۔۔۔۔جاننے والا عارف ہے۔'' پس شلوک میں جو بتایا گیا ہے کہ اس درخت کی جڑ میں ہوں'' اس کی مصداق قرآن کریم ہے جو پورے درخت کی وحدت اپنے اندر رکھتا ہے۔ انه لفی زبر الاوّلین یعنے وہ (قرآن) پہلے صحیفوں میں تھا۔

بدھ مت کی کتاب میں قرآن کی بشارات:

مہاتما بدھ کے اصل الفاظ کا ترجمہ مشرقی کتب مقصد جلد ۴۷ میں یوں دیا ہے۔'' پیغام حق اپنی دلنواز تکمیل اور روز افزوں خوبصورتی اور حافظہ اور حروف دونوں میں شائع کیا جائے گا۔''

قرآن ہی ایسی کتاب ہے جو مہاتما بدھ کی پیشگوئی کی مصداق ہے حقیقت میں قرآن دینِ حق کا پیغام ہے اور وہ حق کی طرف سے ہے اور تمام نسلِ انسانی کو حق کی طرف بلاتی ہے۔قرآن تمام انبیاء کو اور انکی کتابوں کو برحق کہتا ہے۔وہ حق کو حق اور ناحق کو ناحق بتاتا ہے۔وہ ناحق کو اپنے اندر آنے نہیں دیتا۔اس لیے کہ وہ بالحق ہے۔

پیغامِ حق اپنی دلنواز تکمیل میں قرآن ہی ہے۔قرآن اپنی تکمیل سے پہلے تمام انبیاء کے پیغام میں تقسیم تھا۔وہ انبیاء مختص بالقوم، مختص بالملک اور مختص بالوقت تھے۔جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہوا تو آپ میں تمام انبیاء کی خصوصیات و کمالات جمع ہو گئے اور آپ ﷺ یعنی خاتم الانبیاء کے ذریعے انبیاءؑ کی وحدت قائم ہوئی۔اسی طرح تعلیماتِ انبیاء کو یکجا، جمع ہونا ضروری تھا۔بس قرآن کے ذریعہ ان کی وحدت قائم ہوئی۔یعنے قرآنی تعلیمات جو بصورت اجزاء صحفِ سماوی میں منتشر

تھے، وہ اپنے کل کے ساتھ مل گئے ۔ یوں قرآن کی تکمیل دلنواز ثابت ہوئی ۔اب تمام نسلِ انسانی قرآن کی تعلیمات و برکات سے استفادہ کرسکتی ہے ۔

''پیغام حق اپنی دلنواز تکمیل روزافزوں خوبصورتی میں حافظہ اورحروف دونوں میں شائع کیا جائے گا ۔''

مہا تمابدھ پرسلام ہو کہ ان کی بصیرت نے قرآن کی امتیازی شان کوقرآن سے ایک ہزار سے کچھ زیادہ برس پہلے ہی بتادیا ۔قرآن ہی کی یہ عظیم الشان حقیقت ہے کہ یہ حفاظ کے سینوں میں نقش پذیر ہوا ہے اوران کے ذریعہ قرآن کی اشاعت کا نظارہ دنیا نے ہرزمانے میں کیا ہے اوراپنے آخرتک کرتی چلی جائے گی ۔قرآن کریم کا نزول کے ساتھ ہی کتابت میں آنا اور اس کی اشاعت ہونا کسی دلیل کی محتاج نہیں ۔قرآن کا ایک ایک لفظ معہ حروف وحرکات ،ایک ایک آیت ،ایک ایک رکوع ، ایک ایک سورہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہے ۔قرآن ہرقسم کی تحریف ،تغیر وتبدل سے پاک ہے اوروہ تمام دنیا میں کم وبیش چودہ سو سال سے منظرِ عام پرگشت لگا رہا ہے ۔

برعکس قرآن کے اس وقت دیگر مذاہب کی جوالہامی کتابیں موجود ہیں ان کی اصلیت وصحت دونوں مشکوک ہیں ۔وید جوایک کتاب ہونی چاہیئے تھی وہ ۱۱۳۱ ہوگئیں جن میں سے دس بارہ موجود ہیں مگر ۴ منظرِ عام پرگشت لگارہی ہیں ۔

بائبل کے مسودے اورنسخۂ بعینہٖ کے مختلف نسخے ،صدوقیوں اورفریسیونکی مفصل اورمجمل بائبل ۔صحفِ بائبل کوآج کے محققین نے جعلی قراردیا ہے ۔انجیل کی شکست وریخت اس امرکی بین دلیل ہے کہ دنیا کی کوئی کتاب نبی کی زندگی میں پورے طورپر نہ حفظ کی گئی نہ کتابت میں آئی ۔خودمہا تمابدھ نے جس صداقت کا اعلان کیا وہ اس کے مبلّغین نے بھی محفوظ نہیں رکھا ۔

دھمہ پد: مہا تمابدھ نے اپنی مشہورکتاب دھمہ پد میں لکھا ہے ''شہد کی مکھی پرغورکروہ وہ شہد جمع کرتی ہے اور پھول کوگزند پہنچائے بغیر اس سے علیحدہ ہوجاتی ہے ۔اس کے رنگ وبوکونقصان نہیں پہنچاتی ۔اس کی مانندوہ نبی ہے جوایک بستی کا باسی ہے ۔لوگوں میں چلتا پھرتا ہے مگرکسی کونقصان نہیں پہنچا تا مگرحکمت کا شہدوحی سے جمع کرلیتا ہے ۔''

قرآن مجید وہ شہد ہے جس کے اندردنیا کے انبیاء کی وحی کے پھلوں کا ذائقہ ،پھولوں کی بواوران کے خواص جمع ہیں ۔ جس طرح مادی شہدجسمانی امراض کے لیے شفا مانا گیا ہے بالکل اسی طرح قرآن قلبی امراض کے لیے نسخۂ شفا ہے ۔ وننزّل من القران ما ھو شفاء و رحمة للمؤمنین یعنے ہم قرآن سے وہ کچھ اتارتے ہیں جومومنوں کے لیے شفا اوررحمت ہے ۔

حضوررسالت مآب محمد ﷺ کی وحی کی مثال شہد کی مکھی کی مثال ہے ۔آپ ﷺ سب انبیاء کے مصدّق ہیں ۔آپ ﷺ بمصداق آیت اولٰئک الّذین ھدی اللہ فبھد اھم اقتدہ .تمام انبیاء کی راہوں کے راہی ہیں ۔

خدافریبی سے خودفریبی تک

ادارہ

تاریخ پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ انبیاء کرامؑ کا سلسلہ ابتدائے انسانیت سے جاری ہے اور آقائے نامدار، تاجدارِ مدینہ حضرت محمد مصطفے احمدِ مجتبےٰ ﷺ پر آ کر ختم ہوتا ہے اور یہ بھی امر مسلمہ ہے کہ سوائے خاتم النبیّین ﷺ کے، جن کو رسول '' الی النّاس جمیعاً کے خطاب سے نوازا گیا، تمام انبیاء کسی ایک قوم، ایک ملک اور ایک مخصوص زمانے کے لیے ہوتے تھے۔ چنانچہ عیسیٰؑ بھی بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ عیسیٰؑ سے قبل ہی توریت میں تبدیلی ہو چکی تھی۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا آف بلیکل لٹریچر میں درج ہے کہ ان تمام کتابوں کے نسخے غفلت کی وجہ سے معدوم ہو چکے تھے۔ رینانؔ اپنی کتاب ''لائف آف جیسس'' کے صفحہ ۴۰ پر لکھتا ہے کہ '' حضرت مسیح کے زمانے میں توریت میں بہت سی اہم تبدیلیاں کی گئیں اور اس میں اضافے بھی ہوئے۔ جو موسیٰؑ کی اصل شریعت سے بالکل مختلف تھے۔'' اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۶ پر وہ ان عزت اور تکریم کی نگاہ سے دیکھے جانے والے مصنفین کے متعلق لکھتا ہے کہ '' انہوں نے اپنے مشن کی سرفرازی کے لیے بلا تامل وتردّد ایسے کام کئے جنہیں ہم آج سراسر فریب کہہ سکتے ہیں۔''

جب ہم تاریخ سے عیسیٰؑ کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو تاریخ کلیسا (عیسائیوں کی مستند کتاب مصنفہ موشیم) کے یہ جملے کہ '' آپ کی ابتدائی ۳۰ سالہ زندگی گوشہ ظلمت میں گذری۔ بہت سے مصنّفین نے اپنے تصوّرات کی دنیا میں مست یا عام لوگوں کی توجہات کو مرکوز کرنے کے لیے مسیح کی ابتدائی ۳۰ سالہ زندگی کے متعلق عجیب وغریب مضحکہ خیز افسانے وضع کر رکھے ہیں۔ جو ان تمام ریت کے قلعوں کو مسمار کرتے نظر آتے ہیں جن پر عیسائیت کا پرچم لہرا رہا ہے۔'' عیسیٰؑ نے اپنی زندگی میں کسی غیر بنی اسرائیل کو عیسائی نہیں بنایا۔ بلکہ ایک کنعانی عورت سے کہا کہ '' میں اپنے بچوں کی روٹی دوسروں کے کتوں کے آگے نہیں ڈال سکتا۔'' گویا انہوں نے خود اپنے آپ کو صرف بنی اسرائیل کا نبی کہا۔ لیکن ان کے بعد پولس (سینٹ پال) جو پہلے عیسائیت دشمن تھا، ایمان لے آیا اور عیسائیت کو عالمگیر دین کہنا شروع کیا۔ موجودہ عیسائیت کا بانی یہی ہے اور اس کا عقیدہ تھا کہ اگر جھوٹ کے ذریعہ عیسائیت کو فروغ حاصل ہو تو جھوٹ بولنا کارِ ثواب ہے (رومیوں کے نام

۷۔۳)۔غور فرمایئے کہ جب جھوٹ کے دروازے اس طرح چوپٹ کھول دیے جائیں تو اس کے کیا نتائج پیدا ہو سکتے ہیں! چنانچہ موشیم اپنی تاریخِ کلیسا میں لکھتا ہے کہ ''اس عقیدہ نے بے شمار مضحکہ خیز روایات، افسانہ طرازیاں اور مقدس فریب عیسائیت میں داخل کر کے رکھ دیے۔ ہمیں اس امر کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ بڑے بڑے مقدس عیسائی ولی بھی اس جھوٹ سے بری نہ تھے۔ اور اس کا ثبوت ان کی کتابوں سے خود مل سکتا ہے۔'' (حصہ دوم باب ۱۶۔۳) جھوٹ سے عیسائیت کو فروغ دینے کے عقیدے نے عجب عجب گل کھلائے اور پہلی ہی صدی میں عیسیٰؑ کی اصل عطا کردہ انجیل ان انسانوں کے انبار میں دب گئی۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹینکا کی تحقیق تو یہ ہے کہ عیسیٰؑ کی عطا کردہ اصل انجیل کا کہیں پتہ نہیں چلتا البتہ تیسری صدی میں ۳۴ انجیلوں کا ڈھیر نظر آتا ہے۔

برادرانِ اسلام! ان ۱۳۴ انجیلوں کو دیکھ کر خود عیسائی علماء گھبرائے اور ۳۲۵ء میں نیقیہ کی مشہور کونسل منعقد ہوئی جس میں روما کے اطراف و جوانب کے ۲۷۴۸ مندوبین شامل ہوئے۔ شاہِ قسطنطین کے زیرِ صدارت بحث و تکرار کے درمیان ۱۷۳۰ مندوبین کو باہر نکال دینا پڑا۔ لیکن اس کے باوجود یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ اس کتابوں کے ڈھیر میں سے (یعنی ۱۳۴ انجیلوں میں سے) کسے باقی رکھا جائے اور کسے مسترد کیا جائے بالآخر ایک رات انہوں نے ان تمام کتابوں کو فرش پر بکھیر دیا صبح آکر دیکھا تو متی، مرقس، لوقا، یوحنا یہ چار کتابیں میز پر تھیں۔ چنانچہ انہیں آسمانی قرار دے کر باقی ۳۰ کو اپوکریفا یعنی جعلی قرار دے دیا گیا لیکن حیاتِ مسیح ص ۲۹ پر رینان لکھتا ہے کہ ''یہ انجیلیں کھلے طور پر ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں۔'' ایک آدمی اس طرح متضاد باتیں کر سکتا ہے؟ نہیں۔'' اسی طرح ڈاکٹر جوڈ اپنی کتاب گوڈ اینڈ ایول کے ص ۳۱۸ پر لکھتا ہے کہ ''انجیلوں کے باہمی تضاد نے مجھے پریشان کر دیا۔''

حضرات! غور فرمایئے عیسیٰؑ کی ایک کتاب کے بدلے ۳۴ کتابیں، پھر ان میں سے چار کا انتخاب، انتخاب کا عجیب و غریب طریقہ، اور ان چار میں بھی اس قدر تضاد کہ خود عیسائی مورخین پریشان! ایسی کتاب کو لے کر عیسائی مبلغین قرآن کے مقابلہ میں تبلیغ کے لیے نکلتے ہیں۔

؎ چہ دلاور است دزدے کہ بہ کف چراغ دارد

اس وقت دنیا میں انجیل کے جو قدیم ترین نسخے میوزیم کی زینت ہیں وہ بھی پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کے ہیں۔ پہلا ویٹکن میں جو غالباً پانچویں یا چھٹی صدی کا ہے اس کی زبان یونانی ہے دوسرا اسکندریہ کا جو آج کل برٹش میوزیم میں ہے۔

یہ بھی پانچویں صدی کا ہے اور یہ بھی یونانی زبان ہے اور تیسرا نسخہ سینیا میں ہے جو روس کے پایہ تخت پیٹرو گریڈ میں تھا۔ یہ چوتھی صدی کا ہے اور آپ کو یقیناً یہ پڑھ کر تعجب ہوگا کہ عیسیٰ کی زبان آرامی تھی اور آج آرامی زبان میں کوئی انجیل موجود نہیں ہے۔ اب جب کہ متن ہی غائب ہو تو ترجمہ اور تشریحوں میں جو چاہے اضافہ کیجئے۔ اور انجیل کے ساتھ یہی کچھ ہوتا رہا۔ چنانچہ حیاتِ مسیح ص ۱۲ پر رینان لکھتا ہے کہ ابتدائی ڈیڑھ سو سال تک انجیل میں اضافے ہوتے رہے اور مختلف انداز سے ترتیب دینا کوئی جرم نہ تھا۔

بائبل کا مفسر پادری ڈملو خود اعتراف کرتا ہے کہ ''ایک نسخے کا نقل کرنے والا بعض اوقات وہ الفاظ درج نہیں کرتا تھا جو اصل عبارت میں موجود ہوتے تھے بلکہ وہ الفاظ درج کر دیتا جو اس کے خیال میں درج ہونے چاہئیں تھے۔ یا بعض اوقات اصل عبارت کو بدل کر اس فرقے کے خیالات کے مطابق کر دیتا۔ جس سے وہ خود متعلق ہوتا۔''

ترجمے: آج چونکہ ہمارے سامنے بجائے آرامی، یونانی اور لاطینی کے عموماً انگریزی زبان میں انجیل پیش کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے متعلق بھی دیکھئے کہ کس زمانے میں انجیل انگریزی میں منتقل ہوئی۔ چوتھی صدی میں جیروم نے یونانی سے انجیل کو لاطینی میں ترجمہ کیا اور اس لاطینی انجیل سے انگریزی ترجمہ شاہ جیمس کے عہد میں ۱۶۱۰ء میں شائع کیا گیا۔ گویا آج سے صرف تین سو سال پہلے انجیل انگریزی میں منتقل ہوئی اور یہ ترجمہ مستند ترجمہ کہلایا، لیکن ۱۸۷۰ء میں کنٹر بری میں ۲۷ علمائے عیسائیت نے اس ترجمہ کو ناقص قرار دیا۔ اس کے بعد ۱۸۸۱ء میں ایک اور ترجمہ شائع ہوا جسے ریوائزڈ ایڈیشن کہا جاتا ہے اس کانفرنس نے متفقہ فیصلہ دیا کہ ۱۶۱۰ء والے ترجمے میں متعدد مقامات الحاقی ہیں یہ تو ان دو ترجموں کا حال ہے۔ یہیں پر بس نہیں انجیل کے جو نسخے بائبل سوسائٹی کی طرف سے شائع ہوتے رہتے ہیں ان کی کیفیت بھی یہ ہے کہ ہر نیا ایڈیشن سابقہ ایڈیشن سے اور ہر نئی زبان میں ترجمہ کسی دوسری زبان سے بالکل مختلف ہوتا ہے چنانچہ جرمن ڈاکٹر میل نے جب انجیلوں کے چند مختلف ایڈیشنوں کا مقابلہ کیا تو اسے تیس ہزار اختلافات نظر آئے (دیکھئے مضمون گاسپل انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا اور مضمون بائبل انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکز)۔

انجیلوں کے ان باہمی اختلافات اور متضاد بیانات کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ۳۲۵ء کی نیقیہ کی کونسل کی طرح سولہویں صدی میں دوبارہ ٹرنٹ کے مقام پر ایک عظیم الشان کونسل منعقد ہوئی جس کی تفصیلات ریلجیس ٹریکٹ سوسائٹی لندن کی شائع کردہ روئیداد سے بخوبی معلوم ہوسکتی ہے اس کونسل نے اپوکریفا یعنی جعلی کتابوں کو آسمانی تصور کرلیا (ص ۲۸) اور برٹنی کو

جو اس کا مخالف تھا، معافی مانگنی پڑی۔کونسل نے یہ بھی طے کیا کہ ''اس قدر مختلف نسخوں کا وجود انجیل کی حیثیت کو مشکوک کر دیتا ہے اس کا علاج صرف یہ ہے کہ ایک متفق علیہ نسخہ شائع کیا جائے۔جسے مستند سمجھا جائے (ص ۲۸) چنانچہ ایک مقرر کردہ کمیٹی نے ہزار ہا غلطیوں کی اصلاح کے بعد ایک نسخہ مرتب کیا لیکن وہ پوپ کو پسند نہ آیا اور اس نے یہ کام دوسرے علماء کے سپرد کیا۔(ص ۳۲)۔بالآخر ایک نسخہ ۱۵۹۰ء میں شائع ہوا لیکن یہ نسخہ ابھی شائع ہی ہوا تھا کہ معلوم ہوا کہ اس میں بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں چنانچہ اسے پھر واپس لے لیا گیا۔اور ۱۵۹۲ء میں ایک اور نسخہ شائع ہوا۔ان دونوں میں نمایاں اختلاف ہیں۔اس کے بعد ۱۵۹۳ء میں ایک اور نسخہ شائع ہوا۔جو ۱۵۹۲ء والے سے بھی مختلف تھا۔ڈاکٹر جیمس نے جب ان دونوں کا موازنہ کیا تو دو ہزار اختلاف نظر آئے۔جس میں بعض آیات پوری کی پوری ایک دوسرے سے مختلف تھیں اور بہت سی ایک دوسرے کے متضاد۔اس کے باوجود ان دونوں کو یکساں طور پر مستند تسلیم کر لیا گیا۔(ریلجیس ٹریکٹ سوسائٹی لندن ص ۲۴ تا ص ۳۳)۔

حضرات غور فرمایئے دو سال کے اندر شائع ہونے والے دو نسخوں میں دو ہزار اختلافات۔اس حساب کو اگر دو ہزار سال پر پھیلایئے تو کس قدر مختلف ہوگئی ہوگی وہ انجیل جو عیسیٰؑ دے گئے تھے۔ اسے نظر انداز نہ کیجئے کہ یہ تمام حوالے خود عیسائیوں کی مستند کتابوں سے دیئے گئے ہیں۔۱۵۹۲ء اور ۱۵۹۳ء والے یہی مستند نسخے تھے جن کا ترجمہ شاہ جیمس کے زمانے میں ۱۶۱۱ء میں انگریزی زبان میں ہوا۔اور ترمیم و تنسیخ کے بعد دوبارہ ۱۸۸۱ء میں ہوا۔مشہور نقاد کیلسوس ۲۰۰ء میں لکھتا ہے کہ عیسائیوں نے دیدہ و دانستہ فریب کارانہ انداز میں اپنی مقدس کتابوں میں ردّ و بدل کر ڈالا ہے موشیم تاریخ کلیسا میں رقم طراز ہے کہ ''چونکہ عیسیٰؑ کے حواری جن کی طرف انجیل منسوب کی جاتی ہے تعلیم سے بے بہرہ تھے اس لیے بہت ممکن ہے کہ فریب کاروں نے خود کتابیں لکھیں اور انہیں ان مقدس حواریوں کی طرف منسوب کر ڈالا (پہلی صدی حصہ دوم باب ۱۴۔۹)

ان ہی حقائق کے پیش نظر انگلیکن چرچ کا بشپ چارلس گور اپنی کتاب ''دی ہولی اسپرٹ اینڈ دی چرچ'' میں اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ انجیل نا قابلِ اعتبار ہیں۔

برادران ! آپ خود فیصلہ فرمایئے کہ عیسائیت کو عالمگیر مذہب قرار دینے والے کس قدر خود فریبی میں مبتلا ہیں۔(ماخوذ از تریاقِ سمّ عیسائیت)

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

عمران پردیسی

والضّحیٰ والّیل اذا سجیٰ وما ودّعک ربّک وماقلیٰ وللاٰخرۃ خیر لّک من الاولیٰ ولسوف یعطیک ربّک فترضٰی.

انّ الّذی فرض علیک القرآن لرآدّک الیٰ معاد.

قرآن کریم کی اس آیت کا ایک زاویہ تو یہی ہے کہ مکّہ مکرمہ سے مدینہ منوّرہ ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ آپ ﷺ کو اللہ نے مکّہ مکرمہ میں داخل کیا فاتح بنا کر۔لیکن اس کا ایک پہلو اور ہے جس کے لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں ہی اول میں ہی وسط اور میں ہی آخر۔حقیقت میں اس حدیث مبارکہ میں بنی کریم ﷺ کی نہ تو خلقت کا ذکر ہے نہ بعثت کا اس کو دوسری جگہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ میں خلقت میں اول اور بعثت میں آخر۔ یہاں جو اول، وسط اور آخر کی بات کی گئی وہ درحقیقت رسول کریم ﷺ کے ادوار ہیں۔یعنی نبی کریم ﷺ نے اپنے تین ادوار کا ذکر کیا ہے: یعنی پہلا دور بھی میرا، وسط کا دور بھی میرا،اور آخر کا دور بھی میرا۔

تاریخ میں قربانی کے واقعات میں تین واقعات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ سب سے پہلے آدم کے دو بیٹوں میں ہابیل کی قربانی پھرحضرت اسماعیلؑ کی قربانی اورامام حسینؓ کی قربانی گو کہ کچھ مکاتب فکر کے لوگ واقعۂ کربلا کو سیاست یا قبیلہ کی جنگ سے منسلک کرتے ہیں لیکن اولیاء کرام کے یہاں واقعۂ کربلا کی بہت بڑی اہمیت ہے۔اور خاص طور پر وہ اولیاء کرام جو ہندوستان میں مبعوث ہوئے۔ خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین	دین است حسین دیں پناہ است حسین
سرداد نہ داد دست در دست یزید	حقا کہ بنائے لا الہٰ است حسین

آخر کیا وجہ ہے کہ اس قربانی کو اتنی اہمیت دی گئی۔ یہ بات بھی حقیقت ہے کہ اس قربانی کے مقاصد اور رموز سے دنیا آج بھی بےخبر ہے ۔قربانی جب بھی دی جاتی ہے تو اس کے پیچھے کچھ مقاصد ہوتے ہیں اور خاص طور پر جب قربانی اللہ کے لئے ہو، کیوں کہ اللہ کو کوئی شوق تو نہیں یا اس کو کوئی مزہ تو نہیں آتا کہ کسی کی قربانی لے۔لہذا ہر قربانی اپنے اندر کچھ ایسے مقاصد رکھتی جو آنے والے وقتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔جب قرآن کریم میں آدم کے دو بیٹوں کی قربانی کا تذکرہ کیا تو ساتھ اس کا مقصد بھی

بیان کیا کہ بنی اسرائیل کے لئے نصیحت ہے۔اب کہاں ہابیل اور قابیل کا واقعہ اور کہاں بنی اسرائیل! لیکن کیا راز تھا کہ ہابیل قربانی کے لئے تیار ہوگیا اور اس حد تک تیار ہوگیا کے اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ تم چاہے کچھ کرو میں تم پہ ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ جس سے قربانی لیتا ہے اسے اس قربانی کے مقاصد کی ضرور معرفت دیتا ہے۔ورنہ کوئی کیوں اپنی جان یوں قربان کرے۔اسی کو **تقدیر العزیز العلیم** کہتے ہیں۔

تحقیق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہابیل کا ملک ہندوستان تھا اور ہبلی نامی شہر ہندوستان کا اسی نسبت سے ہے اور پھر ہندوستان سے ایک وجود کھڑا ہوتا ہے جو اللہ کے دین کو بنی اسرائیل تک لے کر جاتا ہے اور وہ وجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔یہ بات اب مکمل طور پہ واضح ہوچکی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن ہندوستان ہی تھا اور یہ بات بائبل سے ثابت ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے کنعان (اسرائیل اور فلسطین) کی طرف جارہے تھے تو اس علاقہ کو وہاں موعودہ زمین (Promised Land) لکھا ہے یعنی وہ زمین ہے جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ وعدہ کب کیا گیا اور کس سے کیا گیا؟ یعنی ہابیل کی قربانی کے ساتھ ہی بنی اسرائیل کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس وعدہ کا تعلق ہابیل کی قربانی سے تھا اور اس کی قربانی میں یہ امر پوشیدہ تھا اور اس قربانی کے قبول ہونے کی صورت میں یہ لازم تھا کہ کنعان کی زمین پہ اللہ کا دین نافذ ہوگا اور حضرت ابراہیمؑ نے اس مقصد کو پورا کیا اور نسلاً ابوالانبیاء کہلائے۔یہ بات بھی غور طلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر ہابیل کی قربانی کو بنی اسرائیل میں اجاگر کروایا اور ایک عرصہ تک بنی اسرائیل میں سوختنی قربانی کے نام سے اس کی یادمنائی جاتی تھی۔جب اس قربانی کا مقصد پورا ہوا تو پھر معاملہ حضرت اسماعیل کی قربانی کا آیا۔وہاں حضرت ابراہیمؑ کی رویا کا ذکر ہے۔کیا وہ رویا (خواب) صرف اسماعیل کی قربانی تک محدود تھا کہ اس کے پیچھے بھی کوئی ارادہ یا مقصد پوشیدہ تھا؟ اللہ کو کوئی شوق نہیں کہ اپنے بندے کو قربان کرا دے بغیر کسی مقصد کے۔اس لئے جب ابراہیمؑ نے اسماعیلؑ سے ان کی قربانی کے لئے مشورہ طلب کیا تو فرمایا کہ مجھے اللہ نے جو دکھایا تم بھی دیکھو کہ تم کو کیا دکھاتا ہے۔اور پھر ابراہیم کا دعا کرنا کہ اے رب وہ نبی جس کو اس دنیا میں آنا ہے جس کے لئے تو نے اس دنیا کو بنایا ہے اس کو تو میری اولاد میں پیدا کر اور اسی مقصد کے لئے آپ خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے ہیں اور اللہ کا ابراہیمؑ کو حکم دینا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کردو اور میرے گھر کو پاک کرو طواف کرنے والوں کے لئے،قیام کرنے والوں کے لئے،رکوع کرنے والوں کے لئے اور سجدہ کرنے والوں کے لئے۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ کی اس دعوت کے نتیجے میں وہ طواف کرنے والے اور سجدہ کرنے والے اور قیام کرنے والے کون تھے جن کے لئے ابراہیمؑ سے تیاریاں کرائی گئیں۔بلاشبہ یہ تیاریاں رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے لئے تھی اور یہی وجہ تھی کہ حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کسی نبی نے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کے مقصد کو اجاگر نہیں کیا لیکن جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور وہ مقصد کی تکمیل

ہوئی اور طواف بھی ہوا اور دین بھی قائم ہوا اور سجدہ اور رکوع بھی ہوا تو آپ ﷺ نے اس قربانی کو اس طرح اجاگر کرایا کہ اسے اپنی امت میں اپنی سنت کے طور پر جاری کیا اور دین کے اہم فریضۂ حج کے ساتھ اس کو منسلک کیا۔ لہٰذا جب حضرت اسماعیل کی قربانی کا مقصد پورا ہوا اور اللہ کا دین اپنی مکمل صورت میں قائم ہو گیا اور اس قربانی کی یاد جس دن منائی جاتی ہے اس کو عیدالاضحیٰ کہا یعنی جب یہ دین دن کی روشنی کی طرح چاروں طرف پھیلنا شروع ہو گیا تو نبی کریم ﷺ کو اس سورۂ والضّحیٰ میں یہ معرفت دی گئی کہ جو یہ دین روشن دن کی طرح پھیل رہا ہے۔ایک وقتِ مقرر تک پھیلے گا۔ پھر ایک دور رات کا آئے گا یعنی اندھیرے کا آئے گا اور وہ اندھیرا مکمل طور پہ چھا جائے گا۔اس صورت حال کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ غمگین ہوتے ہیں اس موقعہ پہ اللہ تبارک تعالی کا یہ کہنا کہ میں آپ ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑوں گا اور آپ ﷺ کو وہ عطا کروں گا کہ آپ ﷺ راضی ہو جائیں گے۔ اللہ اکبر، کیا چاہت تھی رسول اللہ ﷺ کی ! لہذا یہ اس بات کی طرف بھی اشارہ تھا پھر کوئی قربانی بھی مقصود ہے اور وہ قربانی جس کے لئے ابراہیمؑ کو کہا گیا تھا کہ ہم نے اس کو ترک کر دیا ہے آخرین کے لئے۔لہذا اس دفعہ یہ قربانی کا تاج امام حسینؓ کے سر پہ سجا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''انا من الحسین والحسین منی ''یعنی میں حسین سے ہوں اور حسین مجھ سے ہیں۔ بڑی غور طلب بات ہے کہ کیا امام عالی مقام کو اس قربانی کی معرفت نہ دی گئی ہوگی ؟ کیا آپ کو یہ علم نہ ہوگا کہ اللہ آپ سے قربانی کس مقصد کے لئے لے رہا ہے؟ اور فرمانِ رسول اللہ ﷺ کے تحت حسینؓ کا رسول اللہ ﷺ سے ہونا تو عیاں ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا حسینؓ سے ہونا ہی وہ اشارہ ہے کہ آخر دور میں رسول اللہ ﷺ کا کام ہوگا وہ قربانیٔ حسینؓ کی بدولت ہی ہوگا اور ہم دیکھتے ہیں پھر آل حسینؓ سے ایک شخص کھڑا ہوتا ہے جو دنیا میں مقصدِ کربلا کو اُجاگر کرتا ہے۔اور دنیا کو غمِ حسینؓ سمجھانے کے لئے اپنا وجود پیش کرتا ہے۔اور اس کربلا کے نتیجے میں اسلام کو زندہ کرنے کا سارا سامان پیدا کرتا ہے جیسا آقائے دو جہاں ﷺ کو سورۂ والضّحیٰ میں جو معرفت دی گئی تھی عین اسی انداز میں دین اسلام تین سو سال تک روشن دن کی طرح پھیلا پھر ہزار سال کا دور اندھیرے کا آیا لیکن رب کا وعدہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑے گا اور یہ ذمہ داری بھی اللہ نے اپنے ذمہ لی تھی کہ وہ اپنے رسول ﷺ کا ذکر بلند کرے گا (ورفعنا لک ذکرک)۔اس لئے ہر دور میں اللہ نے ایسے بندے کھڑے کر دیے جو اللہ کے رسول، رحمتہ للعلمین ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرتے رہے یہاں وہ سنت مراد نہیں جو میٹھا کھانے اور خوشبو لگانے والی بلکہ وہ سنتیں جو پیٹ پہ پتھر باندھنے والی اور لوگوں سے پتھر کھانے والی ہو یا تبلیغِ دین کی خاطر صعوبتیں اور تکالیف برداشت کرنے والی ہو۔ وقتاً فوقتاً اللہ والوں نے ان سنتوں کو زندہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کے ذکر کو اپنے وجود سے بلند کیا یہ وجود اولیاء، غوث، قطب، محدث کی صورت میں زمانے میں اللہ کے دین کی سر بلندی کے لئے سنت رسول اللہ ﷺ میں جان اور مال سے پیش ہوتے رہے۔لیکن وہ وقت جب اندھیرا مکمل چھا گیا اور ایسا زمانہ آیا کہ اللہ بولنے والا کوئی نہیں رہا یعنی اللہ کا کام کرنے والا کوئی نہ رہا اس قدر گمراہی کا دور آیا کہ ۹ لاکھ کلمہ گو

مسلمان کو آریا بنا دیا گیا۔تو اللہ کے وعدے کے مطابق اور امام عالی مقام کی قربانی کے طفیل اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کو راضی کرنے کے لئے ایسا وجود کھڑا کیا جس نے بالخصوص نبیٔ کریم ﷺ کی ان سنّتوں کو زندہ کیا جنہیں مرورِ زمانہ کے تحت مغلوبیت نے مسلمانوں کے لیے اجنبی بنا دیا تھا۔یعنی آپ الحسنی والحسینی حضرت مولانا سیّد صدیق دیندار چن بسویشور قبلہ عالم امام النّاس کا لقب پاکر معبوث ہوئے۔ آپؒ نے اپنے وجود سے نہ صرف بنی کریم ﷺ کی تمام سنتوں کو زندہ کیا بلکہ ۳۶۳ ایسے مبلغین بھی تیار کر دیے جنھوں نے اپنی زندگیاں رسول اللہ ﷺ کے دین لئے وقف کر دیں ورآپؒ اور آپ کے ساتھی مبلّغین نے اپنے وجود سے عالمِ کفر پہ اسی انداز سے حجت قائم کی جس انداز سے نبیٔ کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے کی تھی اور کیا کیا تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت نہیں کیں! تبلیغ ،ہجرت ،غزوات کے ساتھ تمام جملہ سنّتیں اپنے وجود سے زندہ کیں۔ ان کا اوڑنا اور بچھونا صرف دین ہی تھا۔

نام لیوا تیرے ڈھونڈا جو میں انسانوں میں
چند انسان نظر آئے مسلمانوں میں

ظاہرہ جن میں وجاہت کا نہیں نام ونشاں
پاس کوڑی بھی نہیں جن کے گریبانوں میں

جن کے رہنے کا ٹھکانہ ہے نہ سونے کی جگہ
جن کا بستر کبھی مسجد ، کبھی ویرانوں میں

رات ہوتی ہے تو سجدے میں پڑے رہتے ہیں
دن نکلتا ہے تو ہیں تیرے ثناخوانوں میں

کافروں کے ترے محبوب پہ حملے ہیں مگر
کوئی احساس نہیں لیتا مسلمانوں میں

سینکڑوں ہوتے ہیں افسوس ، مسلماں مرتد
کام شیطان کا زوروں پہ ہے انسانوں میں

چل رہی ہے کہیں اجرائے نبوت کی ہوا
پھوٹ پیدا کوئی کرتا ہے مسلمانوں میں

ایک بندہ جو ترا شور مچانے اُٹھا
پھبتیاں اُڑتی ہیں اس شخص پہ انسانوں میں

کوئی کہتا ہے کہ کافر تو کوئی سودائی
کوئی افسوس اسے گنتا ہے دیوانوں میں

یہ ترے نام پہ اُٹھنے کا صلہ پایا ہے
کام کرتا ہے ترا ،نام ہے دیوانوں میں

ساری دینا تو مخالف نظر آتی ہے مگر
اک ترا فضل ہے ہاں اسکے نگہبانوں میں

سب کی نظروں کو بنادے گی تجلّی خیرہ
لہر تکبیر کی دوڑے گی صنم خانوں میں

کام اور نام کا صدّیق کہے گی دنیا
اسکی تصدیق بھی ہوجائے گی ایوانوں میں

اور کیا خوب اللہ نے اپنے محبوب سے وعدہ نبھایا اور آپ قبلہ عالم کے وجود سے دنیائے اسلام میں وہ انقلاب پھر زندہ ہوا یعنی امتِ مسلمہ کو اپنے مقام پہ دوبارہ کھڑا کرنے کے لئے آپؒ نے عملی میدان پھر سجایا ہے بالخصوص ہندوستان میں آپ قبلۂ عالم نے ہندوستان کے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

''اے مسلمانو! جن اصولوں پر قرنِ اولیٰ میں اسلام پھیلا انہی اصولوں پر آج بھی پھیلے گا۔ ہندومت کے حقائق ودقائق سے واقف ہونا پڑے گا۔ اُن کی کتابوں اور ہادیوں کی تصدیق کرنی ہوگی۔ انہی کے مقدس سرمائے سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اسلام کوئی غیروں کا دین نہیں بلکہ اُن ہی کے اوتاروں کی پیشن گویوں کا مصداق ہے۔ مسلمان کوئی ملیچھ نہیں بلکہ انہی کے اوتاروں کے کردار کے حامل لوگ ہیں۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کوئی غیر نہیں بلکہ ایک ایسی شخصیت ہے جس کی تعریف سے ویدوں، شاستروں اور پرانوں کے بے شمار صفحات بھرے پڑے ہیں۔ مسلمانوں کو اس کشادگیٔ ذہن کا مظاہرہ کرنا ہوگا جو اسلام کا خاصہ ہے۔ ہندوؤں کو یقین دلانا ہوگا کہ ان کے اوتاروں کی وہی عزت ہے جو بنی اسرائیل کے انبیاء کی ہے۔ رام جی، کرشن جی، گوتم جی اسی طرح قابل احترام ہیں جسطرح ابراہیمؑ، موسیٰؑ، اور عیسیٰؑ ہیں۔

اہل ہند میں بھی اسی طرح بت پرستی در آئی جسطرح بنی اسرائیل میں شرک اور بے راہ روی جسطرح بنی اسرائیل کے انبیاء موحد تھے اسی طرح ہندوؤں کے اوتار بھی خدائے واحد کی پوجا کرتے تھے۔ دونوں قوموں کے اصطلاحاتِ تصوف معنی کے لحاظ سے ایک ہی ہیں صرف زبان کا فرق ہے۔ ہندی تصوف ایک دریا ہے جو اسلامی تصوف میں ضم ہونے کیلئے بے چین ہے۔ یہاں تمام دریاؤں کو ملانے والا وجود کھڑا ہے جو سنگم ناتھ یعنی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سرور عالم ﷺ کا وجود ہے۔ یہی نکتۂ وحدت ہے جو ہندوں اور مسلمانوں کے مابین اتحاد کا ایسا رشتہ جوڑے گا کہ جسے نہ دجال کا مکروفریب توڑ سکے گا اور نہ آریوں کی عیاری اور چالاکی۔'' (ماخوذ از جامع البحرین)

اور یہی لہ ادک الی معاد کو وہ دوسرا پہلو ہے کہ اسلام کا غلبہ ہندوستان میں ہو جہاں سے ابراہیمؑ کو نکلنا پڑا تھا۔ اور نبی کریم ﷺ کا یہ کہنا کہ میں عرب میں ہوں لیکن عرب مجھ میں نہیں اور ہند مجھ میں ہے اور میں ہند میں نہیں یعنی آپ ﷺ کا تعلق خاندان ابراہیمؑ سے ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا میں ہند میں نہیں لیکن ہند مجھ میں ہے اور پھر آپ ﷺ کی آل سے حضرت قبلہ عالمؒ کا وجود آپ ﷺ کے دین کو ہند میں داخل کرانے کے لئے ۵۶ جسمانی اور ۹۶ زمین وآسمان کے نشانات کیساتھ اللہ کا وعدہ پورا کرنے کے لئے دیندار چن بسویشور کی صورت میں آیا۔

بن کے تمنائے حسین ہند میں آئے ہیں

کم از کم ترے بھارت کو مسلماں کر کے چھوڑیں گے۔

بلاشبہ امام عالی مقامؓ نے جو شرائط کربلا کے میدان میں رکھی تھیں ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مجھے ہندوستان جانے دو وہاں تبلیغ اسلام کرنا چاہتا ہوں جہاں سے میرے نانا کو ٹھنڈی ہوا آئی تھی اسی شرط میں آپ کی قربانی کا رمز پوشیدہ تھا۔لیکن ظالموں نے آپؓ کو ہندوستان تو نہیں جانے دیا لیکن اس غم کو لے کر آپ کی روح ہندوستان میں داخل ہوگئی اور روح حسینؓ جو ہندوستان کو مسلمان دیکھنا چاہتی ہے۔وہ منزل اب دور نہیں جب کربلا کی قربانی کے مقصد میں اسلام اپنی پوری طاقت سے اُٹھے گا ہندوستان تمام مسلمان ہوگا اور دنیا کو زیروزبر کرے گا۔

جارحانہ ہے عمل دعویٰ چن بسویشور

ابتدا کام کی ہے ہند ہلا ہے اس سے بعد میں ہو جائیگی کل زمیں تتّر بتّر

گذشتہ سے پیوستہ

اسلام اور حقیقتِ جہاد کی فلاسفی

نورالدین قریشی

اعتراض نمبر۳: ایسا ہی سورۃ المائدہ کی آیت ۵۱ کے حوالے سے بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہود اور عیسائیوں کو دشمن کے مقام پر رکھ دیتی ہے اور اس طرح ان کے خلاف نفرت کو ہوا دیتی ہے۔ آیت کا ترجمہ ہے''اے ایمان والو! یہودیوں و عیسائیوں کو اپنا دوست رفیق نہ بناؤ یہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا سرپرست بناتا ہے تو اس کا شمار بھی انہیں یہودیوں، عیسائیوں میں ہوگا اور یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رحمت و رہنمائی سے محروم کردے گا۔'' (۵:۵۱) اگر آیت پر غور کیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ آیت نمبر ۴۲ سے جس موضوع پر بات کی جارہی ہے وہ اہلِ کتاب کا جھوٹ و دھوکہ وہی پر مبنی طرزِ عمل ہے جس میں ان کے مذہبی رہنماؤں کا اپنے ذاتی مفاد کے لیے تورات و انجیل کی تعلیمات کو بدل دینا اور اللہ کے ساتھ حضرت عزیرؑ و حضرت عیسیٰؑ کو شریک بنانا ہے۔ قرآن میں ایک اور جگہ اللہ فرماتا ہے''یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے۔'' پھر بتایا جارہا ہے کہ اللہ نے شریعتیں مختلف ادوار میں نازل کی ہیں ان میں بہت سی تعلیمات مشترک ہیں۔ اسلامی شریعت بھی انہی اصولوں پر مبنی اور منجانب اللہ ہے۔ اس لیے یہود و نصاریٰ کے بہکانے میں آئے بغیر فیصلے اللہ کی شریعت کے مطابق کئے جائیں باوجود اس کے کہ یہود و نصاریٰ کی کوشش یہ ہو کہ اہلِ ایمان کو فتنہ میں ڈال کر اپنی طرح گمراہ کردیں اس تفصیل کے بعد جو آیت ۴۲ سے آیت ۵۰ تک بیان کی گئی ہے یہ فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو رفیق نہ بنایا جائے کیونکہ یہ تو آپس ہی میں گمراہوں کے رفیق ہو سکتے ہیں پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ جس سورت کے حوالے سے عیسائی اور یہودی یہ الزام اسلام کو دیتے ہیں اس کا آغاز جن الفاظ سے کیا جارہا ہے وہ ان کی نگاہ سے کیوں اوجھل ہوتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ آج تمہارے لئے ساری پاک چیزیں حلال کردی گئی ہیں اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان لوگوں کے لیے اور محفوظ عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں خواہ وہ اہلِ ایمان کے گروہ سے ہوں یا ان قوموں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی (یعنی یہودی یا عیسائی) بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے نکاح میں ان کے محافظ بنو۔ (۵:۵) ایک معمولی عقل کا انسان بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جن یہودی یا عیسائی نیک خواتین کے ساتھ رشتۂ نکاح کرنے کی اجازت دی جارہی ہو گویا انہیں اپنے گھر اور اپنے معاشرے میں ایک قابلِ احترام بیوی کا مقام دیا جارہا ہو اور جن کے

ساتھ کھانے پینے کے معاشرتی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دی جارہی ہو ان کے بارے میں کیا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ جہاں کہیں مل جائیں تہس نہس کردو۔ صفحہ ہستی سے مٹادو۔ جن کا مقصد فتنہ وفساد ہو، مسلمانوں کو آپس میں لڑوانا ہو اور حضور ﷺ کو دعوت میں زہر بھرا گوشت کھلا کر قتل کرنے کی نیت ہو تو ان لوگوں کو جگری دوست بنانے کا مشورہ دینا چاہیے؟ اسی لیے قرآن نے کہا تھا کہ اے ایمان والو! اللہ کے لیے راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کرے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ تقوے کی روش سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ (المائدہ ۵۔۸)

اعتراض نمبر ۴: ایک اور قرآنی آیت ''پس جب ان کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو پہلا کام گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو اس کے بعد (تمہیں اختیار ہے) احسان کرو یا فدیے کا معاملہ کرلو تا آنکہ اپنے ہتھیار ڈال دے۔'' (۴۷:۶)

عیسائی اس آیت کی یہ تعبیر کرتے ہیں کہ قرآن چاہتا ہے کہ اہلِ ایمان، جہاں کہیں کفار مل جائیں ان کی گردنیں مارتے چلے جائیں اور کشتے کے پشتے لگا دیں۔ بالکل اس طرح جیسے کہ بوسنیا ہرزیگووینا میں بہت سے مقامات پر اجتماعی قبروں کی دریافت سے معلوم ہوا کہ خود کروش اور سرب عیسائیوں نے مسلمانوں کو بلاتفریقِ جنس وعمر تہہ تیغ کیا۔ اس آیت کے نزول سے قبل سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۰ جہاد کے حکم میں آچکی تھی۔ ہمارے علم میں کسی انتہائی پرامن فلسفہ پر مبنی مذہب یا قوم کا کوئی اصول ایسا نہیں جس میں کہا گیا ہو کہ جب دشمن تم پر حملہ آور ہو تو اپنے دروازے کھول کر سر جھکا کر ادب سے اس کا استقبال کرتے ہوئے اپنی گردنیں ظلم سہنے کے لیے پیش کردو اور یقین کرلو کہ تمہاری طرف سے ایک انگلی بھی نہ اٹھے نہ اس میں ایک قطرہ خون ٹپکے۔ درحقیقت اسلام اور دوسرے ادیان میں یہ فرق ہے کہ اسلام حملہ آوروں کا انتظار نہیں کرتا بلکہ دشمن کے ارادوں کو بھانپ کر فوراً جوابی کاروائی کا حکم دیتا ہے۔

تحقیق کا بنیادی اصول ہے کہ زیرِ بحث معاملہ کو براہ راست اس کے سیاق وسباق میں دیکھا جائے اس کے بعد کوئی رائے قائم کی جائے یہی سبب ہے یہی بات ہے کہ عیسائی، یہودی، ہندو بعض ایسی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں جو بنیادی اسلامی علمی اصطلاحات سے ان کی ناواقفیت کا اظہار کرتی ہیں مثلاً یہ کہنا کہ مکی آیات نے جو رحم وعفو ومحبت پیار سے بھری ہوئی ہیں مدنی آیات مثلاً ''مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کردو'' ۱۲۴ ایسی آیات کو جو رحم ولطف ہمدردی سے متعلق تھیں، منسوخ کردیا۔ یہ نہ صرف مکی ومدنی آیات سے ناواقفیت ظاہر کرتا ہے بلکہ نسخ فی القرآن کے اہم مضمون سے مکمل لاعلمی کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ۹ ہجری میں جب مسلمانوں نے صدیق اکبرؓ کی قیادت میں پہلا حج کیا تو سورۂ توبہ کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں اللہ

اوراس کے رسول ﷺ نے ان کفار اور مشرکین سے اپنی برأت کا اعلان کیا۔جن سے اس سے قبل بعض معاہدے ہوئے تھے اور وہ ان کی خلاف ورزی کرتے رہے تھے انہیں مہلت دی گئی کہ وہ آئندہ چار ماہ تک اپنے بارے میں طے کرلیں اور اگر کہیں اور جا کر آباد ہونا ہوتو بلا روک ٹوک چلے جائیں یا اپنی روش بدل لیں اس کے بعد ان کے خلاف عام اعلانِ جہاد کرتے ہوئے یہ بات سمجھا دی گئی پھر حضور ﷺ کی اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ **امرت ان اقاتل الناس حتی یقول لا اله الا الله فاذا قالو ها عصموا دماوهم واموالهم الا بحق الاسلام.** ’’اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان لوگوں سے قتال کروں جب تک وہ یہ اقرار نہ کرلیں اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں تب تو ان کی جان و مال اسلام کے لیے محفوظ ہیں۔‘‘ ورنہ اگر فتنہ وفساد کریں گے تو ان کے ساتھ جنگ کروں گا یا پھر اسلامی قانون کا پاس کریں گے تو صحیح ہے ورنہ نہیں۔جب ہم کائنات پر نظر کرتے ہیں تو اس حدیث کے معنی سمجھ آجاتے ہیں۔یہ اسی طرح ہے جس طرح انسان کے آتے ہی کائنات کو انسان کی غلامی کی نسبت لگ گئی۔اللہ فرماتا ہے **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے **سخر لکم مافی السموٰت وما فی الارض جمیعا.** یہ حضور ﷺ نے اس لیے کہا کہ آپ ﷺ کو ساری دنیا کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے **ھوالذی ارسل رسوله بالھدی ودین الحق لیظھره علی الدین کله ولو کره الکافرون.** اب اگر کافر ایمان نہیں لاتے تو ان سے جزیہ لے کر چھوڑ دیئے جانے کا حکم ہے اور اگر جزیہ بھی نہ دیں تو قتال کا حکم ہے۔یعنی تینوں باتیں ہیں یہ نہیں کہا کہ جبراً زور زبردستی سے اسلام میں داخل کرو۔صاف حکم ہے **افانت تکره الناس....** جب ہم فتح مکہ کی تاریخ پڑھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ مکہ میں داخل ہوکر آپ ﷺ مشرکین سے پوچھتے ہیں کہ ’’تم لوگوں کو مجھ سے کیا امید ہے؟‘‘ مشرکینِ مکہ نے کہا رحم و ہمدردی کی۔آپ ﷺ نے فرمایا’’جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا میں بھی تم لوگوں سے وہی کہتا ہوں **لاتثریب علیکم الیوم.**‘‘ یہ نہیں فرمایا کہ دینِ اسلام میں داخل ہوجاؤ ورنہ میں تم مشرکین کو قتل کرادوں گا یا کردوں گا جبکہ اس وقت یہ کام آپ ﷺ کے لیے آسان تھا۔مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا۔حدیث کا صرف یہ مقصود تھا کہ اسلام کی حکمرانی قائم ہو،امن وعدل کا قیام ہو ورنہ جزیہ کی شرط نہ ہوتی۔مگر پھر بھی یہودی وعیسائی مسلمانوں سے لڑنے بھرنے کے لیے،مسلمانوں کو مارنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے اور زمین میں فتنہ و فساد برپا کرتے پھرتے تھے۔اسی لیے اللہ نے حکم دیا کہ کافروں کے اماموں کو قتل کرو کیونکہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔اسی لیے اللہ نے حضور ﷺ کو حکم دیا **یا یھا النّبی حرّض المومنین علی القتال** پھر فرمایا **اذن للّذین یقاتلون بانّھم ظلموا** اِذن کے معنی اجازت لیتے ہیں جبکہ اِذن کے معنی حکم کے ہیں۔جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے **اذّن فی النّاس بالحجّ** یعنی ’’حکم دے دو یا اعلان کردو حج کا لوگوں میں۔اور جہاد کو صرف مدافعانہ جہاد کہتے ہیں، یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس

آیت میں یقتلون نہیں بلکہ یقاتلون یعنی مقابلہ پر اکسا کر، اٹھا کر لڑائی پر آمادہ کرنے کے معنی ہیں۔ یقتلون کا حکم تب ہوتا ہے جب مدافعت پر نظر رہتی ہے۔ یہ بات قرآن میں ہے کہ لیھلک من ھلک عن بیّنۃ ویحییٰ من حیّی عن بیّنۃ یعنی وہ مرا جو دلیل سے مرا اور وہ زندہ ہوا جو دلیل سے زندہ ہوا یعنی قرآن اس بات کے خلاف ہے کہ جبر سے اسلام میں داخل کیا جائے۔ اصل کام دعوتِ اسلام ہے۔ اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ سے بلا اور ان کے ساتھ اس طریق پر بحث کر جو نہایت عمدہ ہو۔ جب کفار دعوتِ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو جزیہ کا مطالبہ کیا جائے۔ لو کرہ الکفرون لو کرہ المشرکون کہہ کر یہ بتایا ہے کہ قیامِ دین کیلئے سختی کرو۔ وہ یہ کہ قاتلو الّذین۔۔۔الخ جو دینِ حق پر نہیں ہے ان سے مقاتلہ کرو۔ جہاد تب کیا جاتا ہے جب کافر زمین میں فساد کرے اور اسلام کے نفاذ اور قانون کو نہ مانے۔ خاموش بیٹھے ہوئے بادشاہوں کے پاس جانا، دعوتِ اسلام دینا، انکار کیا تو غلام بننے کو کہنا، بصورتِ انکار تلوار کھینچ لینا یہ کوئی دل کو تسلی دینے والی بات تو نہیں ہو سکتی۔ اس وجہ سے اللہ نے مسلمانوں کو فرمایا یہ کام تم کو مکروہ معلوم ہوگا مگر تم اپنی جان پر جبر کر کے حکم کی تعمیل کرو۔ کتب علیکم القتال وھو کرہ لّکم ۔ اگر کفار ہماری اس شدت سے گھبرا کر صلح کرنا چاہتے ہیں تو اس کے متعلق یہ شرطیہ جملہ ہے وان جنحوا للسلم فاجنح لھا ۔ اسلام ادیانِ عالم پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے آیا ہے، امن قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔ ہر ذریعہ سے اور طاقت سے وہ کام لے گا یہ اس کا فرض ہے۔

یاد رہے جو اسلامی جہاد کو مدافعت کہتے ہیں اس خیال نے اسلام میں فرقے پیدا کیے کیونکہ جو اشدّاء علی الکفّار نہیں رہتا وہ رحماء بینھم بھی ہو نہیں سکتا۔ لیظھرہ علی الدّین کلّہٖ کا اظہار مدافعت سے ہو نہیں سکتا، اشداء علی الکفار ہونے سے ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کافروں کو مسلمان کرنے کی بجائے مسلمانوں میں تکفیر بازی کرنی پڑتی ہے۔ یہ لعنت ہے، مدافعت کے خیال کی۔

اعتراض نمبر ۵: کافر کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے کہ لا اکراہ فی الدّین یعنی دین میں سختی نہیں کرنا ہے اور مسلمان لوگوں کو جبراً مسلمان کرتے ہیں۔ اس کا جواب میں حضرت مولانا سیّد صدّیق دیندار صاحب قدس اللہ سرّہ العزیز کی کتاب سے دوں گا آپ فرماتے ہیں ''وہ لوگ جو دین کو غیر ضروری سمجھتے ہیں وہ لا اکراہ فی الدّین کے معنی 'دین کے لیے سختی کرنا نہیں ہے' کہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے خود تراشیدہ بت کی پوجا کرتے ہیں۔ قرآن سے اپنے بت کے چڑھاوے کیلئے کھینچ تان کرتے ہیں۔ جبکہ اللہ نے جگہ جگہ غلبہ اسلام کے لیے شدت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جب لوگ دین میں داخل ہو جائیں ان کے لیے واخفض جناحک للمومنین اور لا اکراہ فی الدّین کا عمل بتایا۔ قرآن میں کہیں بھی لا اکراہ لدّین نہیں آیا۔

اسلام تو غلبۂ دین کے لیے مارنے مرنے کے لیے کہتا ہے فاقتلوا المشرکین حیث وجد تموھم' مشرکوں کو جہاں ملیں مارڈالو۔اس مارشل لاء کے بعد فرمایا :فان تابو اقاموا الصلوۃ واتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدّین جب اخوانکم فی الدّین ہو جائیں ان پر سختی نہ کرو۔یہ صحیح معنی لا اکراہ فی الدّین کے ہیں جو قرآن کریم میں ہیں۔غزواتِ رسول ﷺ اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ اسلام جارحانہ اقدام کرتا ہے۔جب انسان کو حق ہے کہ وہ کائنات پر جبر کر کے قبضہ کرے تو مسلمانوں کو بھی اللہ نے حق دیا ہے کہ وہ اقوامِ عالم پر غلبہ حاصل کرے وہ وجود جو مخلوقات پر قبضہ کرنے کے لیے پیدا ہو، تسخیر اس کی فطرت میں داخل ہو، وہ کسی مخلوق کا غلام نہیں ہوسکتا۔قبضہ کرنے کے لیے عمل وحرکت ضروری ہے، اس علم نے صحابہؓ کو جارحانہ عمل کرنے پر آمادہ کیا نتیجہ میں کامیابی دیکھی۔انسان کے ظہور کے ساتھ ہی ہژدہ ہزار عالم کو غلامی کی نسبت لگ چکی ہے۔''صدیق اکبرؓ کا قول ہے''جس شخص پر نصیحت اثر نہ کرے اس کو سمجھ جانا چاہیے کہ اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔''اس مضمون کو قرآن کی اس آیت پر ختم کرتا ہوں: وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما ''اللہ نے تمہیں وہ علم سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے یہ اس کا تم پر بڑا فضل ہے۔''

درسِ قرآن کریم

ہر اتوار صبح 10:00 تا 11:00 بجے

باہتمام: دیندار انجمن

بمقام: درس گاہِ قرآن کریم این۔۱۱۶ کورنگی ساڑھے تین کراچی۔

نظریات کا تصادم

صاحبزادہ سیّد اسداللہ حسین

آج کل دنیا بھر میں مغرب اور مسلم دنیا کے درمیان تہذیبوں کے حوالے سے مکالمے، تصادم اور کشمکش کا موضوع زیر بحث ہے۔ جہاں تک تہذیبوں کے تصادم کے نظریے کا سوال ہے، سو میرے نزدیک یہ تاریخ کو غیر سائنسی زاویہ نظر سے دیکھنے کا شاخسانہ ہے۔عصر حاضر کی دنیا جس کش مکش اور تضادات سے دوچار ہے، وہ تہذیبوں کے تصادم کا نتیجہ نہیں، کیونکہ تہذیبوں کے تصادم کا کوئی مرحلہ تاریخ میں آیا ہی نہیں۔ وہ غلط مفروضوں اور گمراہ کن دلائل و براہین پر مبنی ہے۔امر واقعہ یہ ہے کہ تہذیبوں کا تصادم نہیں بلکہ نظریات کا تصادم ہے۔اگر تاریخ انسانی کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ نظریات کا تصادم کسی نہ کسی حوالے سے ابتداء ہی سے چلا آ رہا ہے۔ترقی پسند اور رجعت پسند خیالات میں آویزش اسی وقت سے شروع ہوگئی تھی جب انسان سوچنے اور سمجھنے لگا تھا، تہذیب و تمدن کے ارتقا کے ساتھ ساتھ اگرچہ ترقی پسندی اور رجعت پسندی کے معیار بدلتے رہے، لیکن دونوں کے درمیان کشمکش کا سلسلہ جاری رہا۔ ہزاروں سال قبل مسیح میں بھی نظریات کی یہ تفریق موجود تھی۔اس وقت بھی سچ کا زہر پینے والے موجود تھے اور باطل کے نمائندے زہر پلانے والے بھی اکثریت میں ترقی پسند نظریات کے آگے دیوار بنے ہوئے تھے۔اس کے بعد مختلف صورتوں میں یہ سلسلہ چلتا رہا۔اہلِ دانش ترقی پسند خیالات پیش کرتے رہے اور مخالفین رکاوٹیں کھڑی کرتے رہے۔ بہت سے اہل خرد اور فلسفیوں نے زندگی کو آگے بڑھانے کے لیے جدوجہد کی، مصائب جھیلے، قربانیاں دیں اور کارواں چلتا رہا۔ یہاں تک کہ 1948ء میں کارل مارکس اور اس کے دوست فریڈرک اینگلز نے ''کمیونسٹ مینی فیسٹو'' پیش کر دیا، جس نے نظریات و خیالات میں ہل چل مچا دی۔ مارکسزم یا سوشلزم یا پھر سائنسی اشتراکیت کی وجہ سے روس میں اکتوبر 1917ء میں ایسا انقلاب برپا ہوا، جس نے پرانی قدروں کو تہ و بالا کر دیا۔جن کے اثرات بعض دوسرے ممالک پر بھی پڑے۔اگرچہ 1991ء میں سوویت یونین کا شیرازہ بکھر گیا، مگر یہ بات ابھی تک حل طلب ہے کہ کیا سوشلزم ناکام ہوا یا اسے نافذ کرنے والے ناکام ہوئے؟ دنیا میں ایک تصور بڑا معروف ہے، جو ماضی میں رہا اور آج کے زمانے میں اس تصور کے پرچارک ہمیں مل جاتے ہیں کہ معاشی زندگی اور معاشی جدوجہد کا معاملہ خالصتاً عقل انسانی کا معاملہ ہے، جس کو انسان کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔انسان اپنے معاشی فیصلے کرنے میں ہر طرح سے آزاد ہے۔گویا ہر نظریہ اور ہر معاشی اصول اضافیت پر مشتمل ایک نظریہ ہے جس کو آنے والا وقت اور افراد تبدیل کر سکتے ہیں۔قوموں اور ملکوں کے ماضی

کی تصویر سامنے آتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ فرانس میں ظلم اور نا انصافی حد سے بڑھ گئی تو پسے ہوئے لوگوں نے شاہی نظام کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔نیلسن منڈیلا کا ساتھ ظلم و نا انصافی کے شکار عوام نے دیا۔ جب سے انسانی معاشرہ معرکہ خیر و شر سے دوچار ہے، خیر کے نظریات اور شر پر مبنی نظریات کی صف آرائی تہذیب وتمدن کے ارتقائی سفر میں ہمیشہ سے پائی جاتی ہے۔خیر کے حق میں ظہور پذیر ہونے والے نظریات کی ایک طویل فہرست ہے، اسی طرح شر کی تائید میں تاریخ کے مختلف ادوار میں مفسدانہ اور متنازع نظریات پیدا ہوتے رہے۔ بیسوی صدی میں اس کی سب سے بڑی مثال فسطائیت(Fascism) کا نظریہ ہے، جو خیر کے زمرے کے نظریے یعنی جمہوریت کے مدمقابل ہوا۔فسطائیت دوسری عالم گیر جنگ میں پسپا ہوئی۔مگر وہ مذہبی فسطائیت کی شکل میں آج جدید تہذیب وتمدن کے حاصلات کے لیے خطرہ بن کر ابھری ہے اور معاشرہ آج اس سے (War on Terror) کے نام سے نبرد آزما ہے۔ جدید عہد تاریخ میں بہت سے نظریات ایک دوسرے کے مد مقابل آئے اور متصادم ہوئے۔جن میں انفرادیت بمقابلہ اجتماعیت،تھیوکریسی بمقابلہ سیکولرزم،تھیوکریسی بمقابلہ جمہوریت، جاگیرداری بمقابلہ سرمایہ داری، سرمایہ داری بمقابلہ اشتراکیت،آزاد خیالی بمقابلہ مذہبی انتہا پسندی، روشن خیالی وتعقل پسندی بمقابلہ راسخ العقیدگی۔تمام نظریات نے جدید تہذیب وتمدن اور ثقافت پر اپنے اثرات چھوڑے اور تاریخ کا حصہ بنے ہیں۔ ان سارے نظریات کا بنیادی ماخذ خیال پرستی اور مادہ پرستی ہے۔روشن خیال اور رجعت پسند طاقتوں کے درمیان تضاد کی کش مکش درحقیقت حق اور باطل کی چپقلش ہے۔ پروفیسر جارج لکھتا ہے کہ ''ایک دفعہ میں اپنے تمدن کے عجائبات اور علم وصنعت کی ترقی کا حال ایک مشرقی فلسفی کو سنا رہا تھا۔اس نے کہا ہاں یہ صحیح ہے تم ہوا میں چڑیوں کی طرح اڑتے ہو اور پانی میں مچھلی کی طرح تیرتے ہو لیکن ابھی تک تمہیں زمین پر انسانوں کی طرح چلنا نہیں آیا۔'' اگر اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو مذہبی رواداری اور بھائی چارے کی ان گنت مثالیں ملیں گی۔ دنیا میں اسلام پھیلنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مسلمان مذہبی رواداری پر کاربند تھے اور انسانوں کے بنیادی حقوق پر خاص طور پر توجہ دی گئی یہ سلسلہ خاتم الانبیاء حضرت محمدﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے لے کر مسلم حکمرانوں اور فاتحین تک چلتا ہے۔

قرونِ وسطیٰ کی شام آہستہ آہستہ ہوئی اور نئی زندگی کی پو آہستہ آہستہ پھٹی۔مسلم دنیا خلافت عباسیہ کے انہدام کے بعد چودھویں صدی عیسویں میں عہد تاریک میں داخل ہوئی اور ہنوز اس عہد تاریک میں ہے۔ یہاں نہ تو کوئی نشاۃ الثانیہ کا ظہور ہوا، نہ کوئی صنعتی انقلاب برپا ہوا نہ کوئی جمہوری انقلاب رونما ہوا۔مسلم دنیا کا عہد جدید کی دریافتوں اور ایجادات میں کوئی حصہ نہیں ہے۔مسلم دنیا میں پائی جانے والی انتہا پسندی اور ظلمت پسندی اپنے نقطہ عروج پر پہنچ کر پسپائی کی راہ پر گامزن ہے۔ یعنی وہ اپنا سائیکل مکمل کر چکی ہے اور وہ ممالک جن کی سرپرستی اسے حاصل تھی انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا ہے''طبقاتی جنگ نے فکر کی دنیا میں مادّہ پرستی اور خیال پرستی کی جنگ کی شکل اختیار کی ہے۔'' قدیم مشرق اور جدید مغرب میں یہ بس ایک نظریاتی

فرق ہے کہ مشرقی تہذیب یہ حاسّہ مذہبی رکھتی ہے اور مغربی تہذیب اپنے ارتقاء کے ساتھ یہ حس کھو چکی ہے۔ تیز رفتار دور میں جدید تہذیبوں کا مقصد اور معیارِ عزت وعظمت صرف یہ ہے کہ زمین کے بڑے بڑے رقبے پر ان کا اقتدار ہو، ملک کے ذرائع آمدنی وافر ہوں، اپنی مرضی کو دوسروں پر مسلط کرنے اور ہمسائے قوموں یا حریف طاقتوں کو خوف زدہ کرنے کا پورا سامان ہو، گویا ہر مسئلہ میں ان کا نقطۂ نظر معاشی اور اقتصادی ہوتا ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کسی امت نے اپنی فکری قوتوں کو پسِ پشت ڈالا اور دوسرے کی شاہراہ پر آنکھیں بند کر کے چلی، وہیں سے اس کی گراوٹ اور تنزلی کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو گئے۔اہل ملک کے اخلاق روز بہ روز پست ہوتے جا رہے ہیں اور پوری قوم اخلاقی امراض، تاجرانہ ذہنیت اور موقعہ پرستی کا شکار ہوتی جا رہی ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ نظریات کا تصادم اس طبقاتی جنگ کا نظریاتی اظہار ہے، جو ظالم اور مظلوم طبقات کے درمیان جاری وساری ہے۔ یہ اصولی فتح وقت کے ساتھ حقیقی فتح میں تبدیل ہوتی جائے گی۔موجودہ دور میں یہ تصادم ٹھیٹھ اسلام اور کفر کے ٹکراؤں کی صورت میں اُبھر رہا ہے جس میں بلا شک وشبہ فتح اسلام کی ہوگی۔لیکن حقیقی اسلام کی فتح۔اللہ، رسولﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اسلام کی فتح۔فرقوں سے ماوراء اسلام کی فتح انسانوں کے اکثریتی طبقے کی غلامی سے آزادی کی منزل بھی انہی کامرانیوں کا اہم ترین ثمرہ ہے اور انسان جو بقول روسو (Rousseau) آزاد پیدا ہوا ہے مگر وہ ہر جگہ پابہ زنجیر ہے ان زنجیروں سے نجات حاصل کرے گا۔ یہ نظریات کا تصادم تاریخ کے سفر میں ہمیشہ جاری رہے گا۔

تیرے بھی صنم خانے

مقبول الٰہی

ربیع الاوّل کی آمد آمد ہے اس مبارک مہینے میں عاشقان و فدایانِ رسول مختلف طریقوں سے اس عید کو منائیں گے۔ اس بہار کے مقصد کو سمجھنے کے لیے بھی ایک عمر درکار ہے کہ اس وجہ وجودِ کائنات رسول ﷺ کی آمد کا مقصد کیا ہے۔ کیا محض شاہراہوں پر جلوس کی شکل میں نکل پڑنے سے اس عید کا مقصد پورا ہو جاتا ہے؟ ایک طرف عاشقانِ رسول ﷺ اپنی محبت کا اظہار کر رہے ہیں دوسری طرف آسیہ جیسے کیسز کو بنیاد بنا کر توہینِ رسالت کے قانون میں ترمیم کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

بات صنم خانوں کی ہے، ہر انسان کے اپنے صنم ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا اپنا عشق ہے۔ اب اس عشق کے مقام کو کوئی عاشق ہی سمجھ سکتا ہے جس کا دن رات کا سکون، کھانا پینا، نیند، خوشی، غمی غرض ہر چیز عشق میں گم گئی ہو۔ ایسے انسان کو صرف اپنے محبوب کی نظروں میں اچھا نظر آنے کی دھن سوار ہوتی ہے۔ محبوب کا نام سنتے ہی اس کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ وہ محبوب ایک ماں کے لیے بیٹا، بیوی کے لئے شوہر بھی ہو سکتا ہے۔ ایک ماں اپنے محبوب بیٹے کی واپسی کی منتظر ہو تو اس کی اندرونی کیفیت کا اظہار اس کے حرکات و سکنات سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ بار بار دروازے پر آکر راستے پر نظر دوڑاتی ہے۔ حالانکہ وہ جانتی ہے کہ اس کے اس عمل سے اس کا بچہ جلد واپس تو نہیں آجائے گا۔ اب ستر ماؤں یا ان سے بھی بڑھ کر محبت کرنے والی ذات اپنے بندے کی واپسی کی کتنی منتظر ہو گی!

پھر یہ وہ محبت ہے جو اس کی تمام بندوں کے لیے ہے اور ایک طرف اس کا اپنا عشق ہے جو اسے اپنے محبوب رسول ؐ سے ہے۔ جس کے قول کو وہ اپنا قول قرار دیتا ہے۔ کیا اس شخصیت کا محبوب اس سلسلے میں خاموش تماشائی بنا رہے گا؟ جب کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے'' ہم کو معلوم ہے کہ ان کی باتیں تمہیں رنج پہنچاتی ہیں مگر یہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے بلکہ ظالم خدا کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔'' (۳۳ الانعام)۔ یہ آیت اللہ اور اس کے فرستادہ بندوں کے درمیان اس عظیم عشق کی طرف اشارہ کرتی دکھائی دیتی ہے جس سے دنیا دار لوگ مطلق آگاہ نہیں ہو سکتے۔ اللہ والے کو اللہ کا پیغام پہنچانے کا اتنا جنون ہے اور اس کے قبول نہ کرنے والوں کی طرف سے اذیت دینے کا اتنا دکھ ہے کہ خود باری تعالیٰ کو اپنے بندوں کی فکر لاحق ہو گئی اور اپنے فرستادہ بندے کے لیے ایک حوصلہ افزا پیام جاری کیا جا رہا ہے کہ اللہ اپنے محبوب لوگوں کو پہنچائے جانے والی تکلیفوں سے آگاہ ہے اور ہرگز ہرگز اپنے بندوں سے لاپرواہ نہیں۔ اور چونکہ اللہ والے دراصل اللہ کا پیغام ہی لوگوں تک

پہنچاتے ہیں اس لیے اللہ اپنے بندوں کی مخالفت کو اپنی مخالفت قرار دیتا ہے اور انہیں ظالم کہتا ہے۔

اندازہ لگائیے کہ حضور ﷺ نے تبلیغ کے کام کو اس حد تک اپنے ذمہ لے لیا کہ اس کے رد کرنے والوں کا آپ ﷺ کو انتہائی دکھ تھا۔ اللہ اور اس کے رسول میں فرق کرنے والوں کے لیے یہ آیت ایک تازیانہ ہے۔ اللہ کو ایشور، گوڈ، برہما وغیرہم غرض کسی نہ کسی شکل میں ہر مذہب کے لوگ مانتے ہیں۔ بات رسول اللہ کو ماننے کی ہے جو ان کا انکار کرے وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ اللہ کے کام میں رکاوٹ کا دکھ رسولؐ کو ہے اور اللہ کو اپنے رسول کو دکھ ہونے کا دکھ ہے۔ اور رسول کی بات کے انکار کو اللہ ظلم قرار دیتے ہوئے اسے اپنا انکار قرار دیتا ہے۔ فنائیت کا یہی تقاضا ہے کہ جب عشق اپنے کمال کو پہنچے تو دوئی کا شبہ تک نہ رہے اور قاب قوسین کے مقام پر ایک کا دکھ دوسرے کو بھی محسوس ہوتا ہے اور ایک ایک کا رنج دوسرے کو بھی مغموم کر دیتا ہے۔ اب اس مقام پر اللہ والوں کی مخالفت کیا معنی رکھتی ہے جب کہ اللہ خود اسے اپنی مخالفت قرار دے رہا ہے۔

اب اللہ والے تو ہر دور میں رہے ہیں اور ہر دور میں ان کی مخالفت بھی ہوتی رہی تو اللہ کا قانون اس دور میں عمل پذیر نہ ہوگا؟ اللہ تو ہر دور میں کلیم ہے تو اس کا کلام آج بھی اپنے چنندہ بندوں سے جاری وساری ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ دنیا دار لوگ اپنے زعم میں اللہ والوں کی بات کا انکار کر کے اللہ کے مقابلے میں آنے کی غلطی کر بیٹھتے ہیں جس کے نتائج ان کی آنے والی نسلوں تک کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اسی ربیع الاول کی ۲۱ کو جس اللہ والے کی یاد ہم مناتے ہیں وہ اکثر اپنے درس میں فرماتے تھے کہ جوانی کی ٹھوکر کی چوٹ بھی بڑھاپے میں تکلیف دیتی ہے۔ جب مادی ٹھوکر نہیں بخشی جاتی تو روحانی کا کیا حال ہوگا؟ ایک انسان کا انسان سے عشق ہے جس میں رکاوٹ برداشت نہیں کرتا یہاں تک کہ ایک موقعہ پر والدین کو بھی اپنا دشمن سمجھنے لگتا ہے اور ایک اللہ کا انسان سے عشق ہے اور اسے اپنے عشق کی اتنی غیرت ہے کہ وہ رکاوٹ ڈالنا تو دور کی بات، اس بارے میں سوچنے والے تک کی نسلوں کو فنا کر ڈالتا ہے۔ بھلے شاہ نے معرفت پہ زور دیتے ہوئے فرمایا

راتی جاگ کہ پیر کہاون راتی جاگن کتے تیکن اُتے (راتوں کو جاگ کر اگر کوئی خود کو نیک سمجھتا ہے تو یہ جان لے کہ راتوں کو تو کتے بھی جاگتے ہیں، تو تجھ سے اچھے کتے ہی ہیں،) پھر آخر میں فرماتے ہیں کہ ''اگر کسی نے اپنے رب کو نہ منایا تو کتے اس سے بازی لے گئے۔''

اب قرآن نے ہی بحر و بر کے فساد کی وجہ انسان کے اپنے اعمال کو قرار دیا ہے تو اللہ اپنے بندوں پر خود سیلاب، زلزلے، بم دھماکوں کے عذاب کیوں بھیجے گا؟

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۴۷ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے ''کہو کہ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر خدا کا عذاب بے خبری میں یا خبر آنے کے بعد آئے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور بھی

ہلاک ہوگا؟'' یعنی تم بے خبر بھی ہو تو یاد رکھو کہ عذاب ظالموں پر ہی آتا ہے۔ ایک بزرگ نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر ایک

جیب میں قلم رکھ کے دوسرے میں ڈھونڈا گیا،تو جو تکلیف پہنچی ہے اس کا محاسبہ کیا جائے کہ یہ تکلیف بھی کیوں پہنچی؟ یقیناً کوئی نہ کوئی گناہ ہوا ہوگا۔تو ہماری قوم کو بھی من حیث الکل غور کرنا چاہیے کہ ہمیں کس گناہ کی سزا مل رہی ہے اور مہنگائی،ظلم وستم، لاقانونیت کا جو عذاب ہم پر مسلط ہے وہ کسی اللہ والے کی مخالفت کی ''جزا'' تو نہیں۔

اگر مقامِ رسول کو سمجھنا بس میں نہیں تو کم از کم میڈیا یہ رسولﷺ کی حرمت پہ اپنا فلسفہ نہ بگھارا جائے۔ با خدا دیوانہ باشد کی اجازت تو دی جاسکتی ہے مگر با محمدﷺ ہوشیار،رسولﷺ کے بارے میں بات کرتے ہوئے پچاس دفعہ سوچنا چاہیے۔اللہ کے اپنے صنم ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے وجود کا اظہار کرتا ہے اگر ان کی مخالفت والدین نے کی ہے ان کی موجودہ نسل کو صرف اپنے آباءواجداد کی طرف سے اللہ سے سچے دل سے معافی مانگنی چاہیے بلکہ اس اللہ والے کی جماعت کا ساتھ بھی بھرپور طریقے سے دینا چاہیے تاکہ ان کے آباء کی غلطیوں کا کفارہ ادا ہو سکے اور آنے والے نسلوں کے لیے باعث رحمت ثابت ہو۔ وہ نسلیں اس انقلاب کی زمین کی کھاد بننے سے بچ جائیں۔جو انقلاب اس سرزمین پاک و ہند کا مقدر ہے۔

سات کا چکر

بانو قدسیہ

اللہ تعالیٰ تخلیقِ کائنات کے بارے میں فرماتا ہے ''جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، چھ دن (ادوار) میں پیدا کیا۔ پھر (ساتویں دور میں) عرش پر جا ٹھہرا۔'' (۲۵/۵۹)

زمین و آسمان کے بارے میں فرمایا ''خدا ہی تو ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور ویسی ہی زمینیں۔'' (۶۵/۱۲)

''کیا تم نے نہیں دیکھا خدا نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنا رکھے ہیں۔'' (۱۳/۶۷،۱۲/۴۱،۱۵/۷۱)

سائنس اس بارے میں کہتی ہے کہ آسمان کی سات تہیں Layers ہیں اور ہر تہہ اپنی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتی ہے جن کے نام یہ ہیں:

1.Trosphere 2.Stratosphere 3.Mesophere 4. Thermosphere

5.Exosphere 6. Lonosphere 7. Mognelosphere

اس کائنات کا خلاصہ خاتم المخلوقات حضرتِ انسان کے بارے میں جسے اس نے صاحبِ ارادہ و اختیار بنا کر اس میں اپنی روح پھونکی، فرمایا: ''اور ہم نے انسان کو (۱) مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا (۲) پھر اس کو مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا (۳) پھر نطفہ کا لوتھڑا بنایا (۴) پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی (۵) پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں (۶) پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا (۷) پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔''

سائنس تخلیق کے ان درجوں کے نام یہ بتاتی ہے:

1. Zygote 2. Embryo 3. Leches 4. Flesh 5. Bones

6.Muscles 7. Structure

اللہ کے پسندیدہ دین، دینِ اسلام کو قبول کرنے کے لیے ایمان کی شرائط بھی سات ہیں:

امنت باللہ وملٰئکۃ وکتبہ ورسلہٖ والقدر خیرہ وشرّہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت یعنی (۱) اللہ پر ایمان (۲) ملائکہ پر ایمان (۳) اللہ کی اپنے پیغمبروں پر نازل کی جانے والی کتابوں پر ایمان (۴) اللہ کے پیغمبروں پر ایمان (۵) اچھی تقدیر پر ایمان کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ (۶) بری تقدیر پر ایمان کہ وہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ (۷)

مرنے کے بعد بعثت پر ایمان

اس قرآن کی منازل بھی سات ہیں۔قرآن کی ترتیب میں اس کی پہلی سورۃ سورۂ فاتحہ ہے جوقرآن کے مضامین کھولنے والی ہے۔اس کی کل آیات بھی سات ہیں۔جس نے قرآن کریم ،نورِمبین کی ہدایت وقوانین کے مطابق اپنی زندگی گزاری اسے جنت کی بشارت دی۔اس جنت کے درجات بھی سات ہیں:

۱۔جنت ۲۔دارالسّلام ۳۔الخلد ۴۔عدن ۵۔ نعیم ۶۔الماویٰ ۷۔فردوس

اور جواس نور سے فیض یاب نہ ہوسکا اور گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک گیا تو انہیں جہنم کی وعید سنائی گئی جس کے طبقات بھی سات ہی ہیں۔ابنِ عباسؓ کے مطابق ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ جهنم۲۔ لظٰی ۳۔ حطمه ۴.سعير ۵. سقر ۶.جحيم ۷. هاويه

اگرہم انسان کی زندگی پرغورکریں تو پیدائش سے لےکرموت تک کےادوار بھی سات ہی ہیں:

۱۔نومولود ۲۔بچپن ۳۔لڑکپن ۴۔نوجوانی ۵۔جوانی ۶۔ادھیڑعمر ۷۔بڑھاپا

انسان کی امّ الصفات بھی سات ہیں:

۱۔حیات ۲۔قدرت ۳۔ارادہ ۴۔علم ۵۔کلام ۶۔سماعت ۷۔بصارت

انسان جن دنوں کے ذریعے مہینوں اورسالوں کا حساب رکھتا ہے۔اس کی تعداد بھی سات ہے۔

جب ہم اس کائنات پرغورکرتے ہیں تو ہمیں قوس وقزح کے رنگ بھی سات نظرآتے ہیں۔سورج کی Layers بھی سات ہیں۔

1. Core 2.Radiation Zone 3.Convection Zone 4. Photosphere -Sunspots 5.Chromosphere 6.Transition Region 7.Corona

سورج کی روشنی کومنتشرکریں تو اسکے رنگ بھی سات ،حج وعمرہ کی سعادت کے لیےطوافِ کعبہ کے چکر بھی سات۔

مائنڈ سائنس کی رو سے انسان کے اندرتوانائی کےجنکشن بھی سات ہوتے ہیں۔جوجسم کے مختلف حصوں اور قلب وروح کی مختلف کیفیات کوکنٹرول کرتے ہیں۔مزید یہ کہ انسان کے گرد روشنی کا ہالہ بھی اپنی انتہائی کیفیتوں میں سات رنگوں میں ہوتا ہے۔ایک انسان کی شبیہہ بھی اپنی اعلیٰ ترین درجوں میں سات حصوں میں منقسم ہوسکتی ہے۔اس کی مختصرترین وضاحت اولیاء اللہ کی زندگیوں سے یوں ہوسکتی ہے جن کے متعلق لوگوں کا کہنا ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات ایک ہی وقت میں ایک سے زائد جگہ موجود ہوتے تھے۔جیسے اسٹوڈیومیں بیٹھا انسان ایک ہی وقت میں مختلف چینلز کے ذریعے ،مختلف جگہوں پرنظرآ سکتا ہے۔

اسی طرح Reiki ایک طریقہٴ علاج ہے جو کائنات کی مثبت انرجی کی منتقلی کے ذریعہ وقوع پذیر ہوتا ہے جسے سیکھنے اور روئے کار لانے کے لیے استعمال ہونے والے نشانات میں بھی سات کا عدد بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سات کا چکر کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ کیوں سات کے بعد فنا ہے؟ کیوں سات کے ساتھ ہی ایک تکمیل ہے؟ اس پوشیدہ حقیقت کو ہمارے مرشد حضرت مولانا سیّد صدیق دیندار صاحب قدس اللہ سرّہ العزیز اسطرح بیان فرماتے ہیں کہ ''کن فیکون کے الفاظ کا مجموعہ بھی سات ہے۔ اللہ نے کن کہا اور فیکون ہوگیا۔ یعنی کُن کے ساتھ ہی فیکون نتیجہ کی صورت میں آ گیا۔ اس کائنات کی تخلیق کن فیکون سے ہوئی جو سات ادوار میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس کن فیکون کے رمز میں ہی کائنات کی حقیقت پوشیدہ ہے۔'' اور جو کسی صاحبِ بصیرت کو کن فیکون کے فارمولے کا علم اللہ کے فضل و رضا سے حاصل ہو جائے درحقیقت وہ ہی انسان کامل ہے۔

کُن کی حقیقت کو سمجھنا ہے تو سمجھو خود کو
خود کی جو ہوگئی آگاہی تو پھر سمجھو رب کو
رب سمجھنا ہے تو نعمت کی بھی پہچان کرو
غور وفکر ذکرِ خدا صبح کرو ، شام کرو
جستجو جس کی کرو گے تمہیں ہو جائے گا حاصل وہ ضرور
عملِ پیہم ہی کرے پردۂ کن فیکوں چاک حضور